سلسلۂ آصفیہ

(نمبر ۳)

دیوانِ دردؔ اُردو

یعنی

جبل ہندوستان حضرت خواجہ میر دردؔ دہلوی کا کلام معجز نظام

خاص صحت و اہتمام کے ساتھ

مطبع نظامی بدایوں (صوبہ متحدہ) میں چھپا

سنہ ۱۹۲۲ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ دیوان درد

کوئی درد آشنا کہہ گیا ہے ؎

اگرچہ شاعرانِ نغز گفتار	زیک ساغر دریں بزم اند مست
ولے ۔ با بادۂ بعضِ حریفاں	فریبِ چشمِ ساقی نیز پیوست
مشو مُنکر کہ در اشعارِ ایں قوم	ورائے شاعری چیزے دگر ہست

خواجہ میر درد علیہ الرحمتہ کے دم قدم سے "ورائے شاعری" مضامین سے اُردو ادب فیضیاب ہوا ۔ ؎

یہ رتبۂ بلند ملا جسکو مل گیا	ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں !

عموماً اُردو شاعری کا سرمایہ نازِ حسنِ ظاہر کے انداز ہیں ۔ جن میں حُسنِ بیان نے چار چاند لگا دئے ہیں
خواجہ صاحب کی چشمِ حق بیں جمالِ حقیقی کے جلوؤں سے منوّر تھی ۔ وہی نور اون کے کلام میں
تاباں ہے ۔ میر تقی میر لکھتے ہیں ۔ "گلچینِ خیال اور اگلِ معنی دامن دامن" ۔ یہی وجہ ہے
کہ خواجہ صاحب کے کلام کا پایہ عام شاعری سے بالاتر ہے ۔

ادبِ اُردو سید راس مسعود صاحب کے خاندان کی سرپرستی کا برسوں سے مِنّت
پذیر ہے ۔ سر سید نے اُردو نثر کو "بیانِ مطالب" کی قوت بخشی ۔ نکتہ شناس "پوتے" نے
نظم اُردو کی خدمت کی ۔ "انتخاب زرّیں" کی اشاعت سے اُردو نظم کا نام روشن کیا ۔ سونے میں
سہاگہ ڈالا ۔ اساتذۂ اُردو کے دواوین خوبی ۔ خوش اسلوبی سے شائع کرنے کا اہتمام کیا ۔

اوسی سلسلے کی ایک کڑی "دیوان درد" بھی ہے - شروانی دہقانی مقدمہ نگاری پر مامور ہے عین سعادت کہ خواجہ صاحب کی بزم ادب میں باریابی کا ذریعہ ہاتھ آیا - ع

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

خواجہ صاحب کے حالات

نام خواجہ میر - درد تخلص[1] - صحیح النسب حسینی سید ہیں - آبائی سلسلہ بارہویں پشت میں خواجہ بزرگ بہاؤالدین نقشبندی قدس سرہٗ سے اور چھبیسویں پشت میں حضرت امام عسکری رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے مادری سلسلہ نسب حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ تک منتہی ہوتا ہے - خواجہ صاحب کے والد کی والدہ بھی حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی اولاد میں تھیں - والد کا نام خواجہ ناصر - عندلیب تخلص نانا میر سید محمد - حسنی تھے - جو بیٹے تھے نواب میر احمد خاں شہید کے - نواب صاحب پانی پت کے معرکہ میں نادر شاہ کے مقابلہ میں شہید ہوئے - جہانکشائے نادری میں اون کا ذکر ہے - میرزا رفیع سودا کے ممدوح تھے - خواجہ صاحب کے نسب کے بیان میں تذکرہ نویسوں نے فاش غلطیاں کی ہیں - ہمارا بیان خواجہ صاحب کے علم الکتاب سے ماخوذ ہے - مسکن پرانی دلی میں تھا اوسی محلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کی بھی سکونت تھی - "اجڑے دیار" کی آبادی و مردم خیزی - اللہ اکبر خواجہ ناصر صاحب کے والد بخارا سے تحصیل علم کے بعد عہد عالمگیری میں وارد ہندوستان ہوئے تھے -

---

[1] اس تخلص میں ایک خاص لطف ہے - حضرت شاہ گلشن حضرت شاہ محمد وحدت گل کے مرید تھے - اب شجرۂ تخلص ملاحظہ ہو -

شاہ محمد وحدت - گل
حضرت شاہ سعد اللہ - گلشن
خواجہ محمد ناصر صاحب - عندلیب
خواجہ میر صاحب - درد
خواجہ محمد میر صاحب - اثر

دیکھو "گل" کی جلوہ نمائی سے ظہور "گلشن" ہوا - گلشن نے نالۂ عندلیب پیدا کیا - نالۂ عندلیب سے "درد" جلوہ افروز ہوا درد سے "اثر" ع این سلسلہ از طلائے ناب ست + این خانہ تمام آفتاب ست -

خواجہ محمد ناصر صاحب ہندوستان میں پیدا ہوئے - ابتدا گر شاہی منصبداروں میں شامل تھے آخر منصب ترک کرکے یادِ الٰہی میں مصروف ہو گئے - حضرت قبلۂ عالم خواجہ محمد زبیر سے بیعت تھے حضرت شاہ گلشن پیر صحبت میں - شاہ گلشن کی نسبت خواجہ صاحب ایک موقع پر فرماتے ہیں "کہ اون کے فارسی کلیات میں دو لاکھ کے قریب شعر تھے - فن موسیقی میں کامل مہارت تھی حج سے مشرف ہوئے تھے - اون کی مدح میں فرماتے ہیں ؎

چوں مرقع صد بہار از فقر من گل میکند	در فقیری بہرہ مند از فیض شاہ گلشنم

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی روح پر فتوح سے طریقۂ محمدیہ حاصل کیا - اون کی تصنیف "**نالۂ عندلیب**" کا حجم اٹھارہ سو صفحے کا ہے - جس کو آزاد نے "ایک رسالہ" لکھا ہے! - زبان فارسی ہے - قصے کے پیرایہ میں معارف بلند اور مطالب عالیہ بیان فرمائے ہیں - موقع موقع پر کثرت سے اشعار درج ہیں - وجہ تصنیف خود یہ بیان فرمائی ہے کہ "اکثر آدمی مجھ سے مختلف مطالب اور مسائل دریافت کیا کرتے تھے - صوفی طریقت کے جویا تھے - مُلا احکام شرعیہ پوچھتے تھے - مثلاً جبر و اختیار کا مسالہ - بعض جوان مذہب شیعہ و سنی کی تحقیق چاہتے تھے - بعض اخلاق ستودہ کے متلاشی تھے کسی کو عشق مجازی کی حکایتوں کا شوق تھا - اہل عقل کو عقلی پیرایہ کی جستجو تھی - اسی عرصہ میں حضرت قبلۂ عالم نے رحلت فرمائی - ادائے تعزیت کے لئے اعزہ اور احباب کا مجمع میرے مکان پر ہوا - اوسی موقع پر افسانہ کے پیرایہ میں "محبزبانِ ہندی" نے مطالب بالا کے جوابات خواجہ صاحب نے بیان سنائے - تین شب و روز یہ صحبت رہی - اپنے اپنے مطالب کے جواب پاکر سامعین پر عجب عالم طاری ہوا - سامعین مُصر ہوئے کہ اوس افسانہ کو قلمبند کردوں - عرصہ تک ٹالا - آخر اشارۂ غیبی پاکر فارسی زبان میں لکھدیا - طریقۂ تالیف یہ تھا کہ عشا کے بعد مخصوص احباب کے روبرو زبانی بیان کرتا - میر درد لکھتے جاتے - احیاناً وہ نہ ہوتے تو بیدار بیدار جیسے مرید قلمبند کرتے - کبھی وہ بھی نہوتے تو خود میں ہی لکھتا جاتا اس طرح ۱۱۵۳ھ میں یہ کتاب ختم ہوئی" "نالۂ عندلیب" - نام پایا - میر درد صاحب نے تاریخ لکھی - ع -

نالۂ عندلیب گلشن ماست ✻

کتاب کو پڑھو اور کمال اور بیان کی قوت کا اندازہ لگاؤ - خواجہ عندلیب صاحب نے ۶۶ برس کے سن میں شعبان ۱۱۷۲ھ میں رحلت فرمائی - رضی اللہ عنہ -

خواجہ میر درد ۱۱۳۳ھ میں پیدا ہوئے تحصیل علم اپنے والد ماجد سے کی - تفصیل تحصیل نظر سے نہیں گزری - لیکن تصانیف شاہد ہیں کہ نقلی اور عقلی علوم میں کامل تھے - خصوصاً علم الکتاب کے معالعہ سے

واضح ہوتا ہے کہ تفسیر - حدیث - فقہ - تصوف - اور معقولات میں پوری مہارت حاصل تھی - ابتدائے شباب میں دنیا دار رہے - جاگیر اور معاش کے اہتمام میں پوری تگ و دَو کی - امرائے شاہی اور مقربان بارگاہ کے ناز اوٹھائے - ۲۸ - برس کی عمر میں جذبۂ حق نے اپنی طرف کھینچا - سب کو چھوڑ کر اودھر جھکے - لباس درویشی پہنکر آستانۂ جاناں پر سر جھکا دیا - ۳۹ برس کی عمر میں خواجہ عندلیب صاحب کی رحلت کے بعد مسند نشین ارشاد ہوئے - اور آخر دم تک قدم نہ ہٹا مصیبتوں کے دریا چڑھے اور اُترے - یہاں پائے استقامت کو جنبش بھی نہ ہوئی - انہی مصایب میں "حملۂ نادری" بھی تھا - خواجہ صاحب بارہویں صدی ہجری کے اولیائے کبار سے ہیں -

تصنیف کا شوق ابتدائے عمر سے تھا اور آخر عمر تک رہا - پندرہ برس کی عمر میں بحالتِ اعتکاف رسالہ "اسرار الصلوٰۃ" لکھا - اونتیس ۲۹ برس کی عمر میں رسالہ "واردات" لکھا - رسالہ مذکور ۱۱۷۲ھ میں ختم ہوا - اسکے بعد ایک مدت تک اوس کی شرح "علم الکتاب" لکھی - علم الکتاب کے بعد "نالۂ درد" لکھا جو ۱۱۹۰ھ میں پورا ہوا - میر اثر نے تاریخ کہی - ع

نالۂ عندلیب دردِ من ست" "نالۂ درد" کے بعد ۱۱۹۳ھ میں رسالہ آہِ سرد ختم ہوا - تاریخ از میر اثر - ع "آہِ سرد ما تمام گرمی رفتار ما - "آہِ سرد" کے بعد رسالہ "دردِ دل" کی نوبت آئی اسی کے ساتھ ساتھ رسالہ "شمع محفل" لکھا گیا - دونو کو ساتھ لکھنے کی وجہ یہ تحریر فرمائی ہے کہ "نالہ درد" اور "آہِ سرد" کی تالیف کے بعد جب رسالہ "درد دل" لکھنا شروع کیا تو خیال آیا کہ اسکے بعد ایک رسالہ "شمع محفل" کے نام سے لکھوں گا - مگر چونکہ سن باسٹھ ۶۲ برس کا ہو چکا - فرصت مفقود - لہذا دونو کو ساتھ ساتھ لکھنا شروع کر دیا - صفر ۱۱۹۹ھ میں دونوں رسالے ختم ہوئے

فنِ موسیقی میں خواجہ صاحب کو پورا دخل تھا - میاں فیروز خاں گویوں کا اُستاد حاضر ہو کر فن کے نکتے حل کرتا - دوسری اور چوبیسویں تاریخ کو ہر مہینے میں ایک مجلس سماع مکان پر ہوتی اسطرح کہ قوّال بلا طلب حاضر ہو جاتے اور جب تک اون کا دل چاہتا گاتے اور چلے جاتے - نہ بلائے جاتے نہ روکے جاتے - سماع کی نسبت خواجہ صاحب فرماتے ہیں - "در سماع من جانب اللہ ست و حق برین امر ہمہ وقت گواہ کہ خود بخود گویندگاں می آیند و ما دام کہ میخواہند می سرایند - نہ آنکہ فقیر اینہا را می طلبد - و شنیدنِ سرود را چوں دیگراں عبادت می فہمد بلکہ ہماں معاملہ نہ انکار میکنم نہ این کار میکنم در پیش ست و عقیدۂ من ہماں ست کہ عقیدۂ بزرگان من ست" (نالۂ درد - ۳۷)

۲۴ - صفر ۱۱۹۹ ہجری کو انتقال فرمایا اور اپنے والد ماجد کے پہلو میں دفن ہوئے - تاریخ وفات از بیدار -

تاریخ - قطعہ -

آفتاب امت دین محمد خواجہ میر
حضرت درد آنکہ از درد فراق عندلیب
حیف کز دنیا بعمر شصت و ہشتم سالگی
بندہ بیدار کاں ہست از غلامانش یکے
یک پہر شب ماندہ ہاتف کرد وایلا و گفت

مظہر علم علی و وارث اثنا عشر
نالہ یا ناصر کش ہیکرد بر دلہا اثر
جانب اعلا علیین او کردہ سفر
جست از وقت وصال و روز و ماہش چوں خبر
ہائے بو آدینہ و بست و چہارم از صفر

اس تاریخ میں خواجہ صاحب کی عمر اڑسٹھ برس کی لکھی ہے - حالانکہ خود خواجہ صاحب کے بیان سے چھیاسٹھ برس معلوم ہوتے ہیں - جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا - مزار شہر پناہ کے باہر شاہ جی کے تالاب کے متصل ہے - میں بھی فاتحہ خوانی سے مشرف ہوا ہوں - والحمد للہ علی ذالک نزع میں یہہ مصرع خواجہ صاحب کے زبان پر تھا ع - درد ہم جاتے ہیں پر چھوڑے اثر جاتے ہیں - میر اثر خواجہ صاحب کے بعد سجادہ نشین ہوئے - یہہ سلسلہ خواجہ محمد نصیر متخلص بہ "رنج" تک جاری رہا - جو خواجہ صاحب کے نواسے تھے - خواجہ صاحب کے صاحبزادے ضیاء الناصر تھے - تخلص "الم" تھا -

تصانیف بیان بالا سے خواجہ صاحب کی تصانیف کے یہ نام معلوم ہوئے - اسرار الصلوٰۃ - رسالہ واردات - علم الکتاب - نالۂ درد - درد دل - آہ سرد - شمع محفل - انکے علاوہ دیوان فارسی - دیوان اردو - جملہ تصانیف بالاشاعۃ ہو چکی ہیں -

اسرار الصلوٰۃ چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں نماز کے ارکان ہفتگانہ کے اسرار بسر کر کے بیان فرمائے ہیں - واردات - یہہ ایک سو گیارہ واردات کا مجموعہ ہے - ہر وارد کا نام جداگانہ ہے - مثلاً - وارد اول "فاتح الواردات" وارد ثانی "نور من اللہ" علی ہذا القیاس وجہ تالیف "واردات" کی یہ ارشاد فرمائی ہے کہ اکثر اوقات غلبۂ حالات میں (جو عبارت ہے شاہدت مشاہدہ کی حالت سے اور استیلاء تالہ سے) جو معانی دل پر منکشف ہوتے تھے وہ رباعیوں کی صورت میں منظوم ہو جاتے تھے جب یہ رسالہ تمام ہو گیا تو ۱۱۷۲ھ میں خواجہ عندلیب صاحب کی خدمت میں پیش ہوا اور پسند فرمایا گیا - رسالہ واردات میں معرفت و حقیقت کے مطالب عالیہ بیان فرمائے ہیں ہر وارد کا ایک دیباچہ ہے - اول و آخر رباعی ہے - درمیان میں شارحانہ نثر - نمونہ - وارد اول

رباعی اول

در خلوتِ ما کہ رشکِ صد انجمن ست	با خویش زباں چو شمع گرم سخن ست
عالم آئینہ خانہ است و ما را	ہر سو کہ اشارت ست با خویشتن ست

رباعی آخری

از فیض تو ہر خرابہ معمور آمد	در لطف تو ہر غمزدہ مسرور آمد
یکت بہشت رخت ز عالم بر لیبت	ہر سایہ کہ زیر سایۂ نور آمد

وارد دویم - رباعی آخری -

ہستی و عدم خرابِ میخانۂ اوست	امکان و وجوب مست پیمانۂ اوست
چشمِ دل تو اگر حقیقت بیں ست	ہر ذرۂ خلق بود خانۂ اوست

"علم الکتاب" رسالہ بالا کی شرح ہے جو میر اثر کی فرمایش سے لکھی گئی - باریک خط کے بڑے بڑے صفحے ۸۴۶ ہیں - خواجہ صاحب کے علمِ الٰہی کا تبحر اور کمالاتِ معرفت کی حقیقت اس تصنیف سے واضح ہوتی ہے - جا بجا عربی طویل عبارتیں بے تکلف غایت بلاغت کے ساتھ مثل چشمہ رواں ہیں - مطالب حقہ کا ہجوم ہے - آیات اور احادیث اس روانی اور آسانی سے ہر موقع پر درج ہوتی جاتی ہیں کہ پڑھنے والے کا قلب اون کے انوار سے پر نور و معمور ہوتا جاتا ہے - سلوک کے مسایل کو آیات و احادیث سے مجتہدانہ اور عارفانہ قوت کے ساتھ ثابت و مدلل فرمایا ہے - "نالۂ درد" میں فرماتے ہیں کہ "نالۂ عندلیب" اور "علم الکتاب" طریقہ محمدیہ کے سلوک کیلیے کافی ہیں - یہ کتاب متانت و قوت تحریر میں شاہ ولی اللہ صاحب کی بہترین تصانیف کے ہم پلہ ہے -

"نالۂ درد" "علم الکتاب" کے بعد لکھا گیا دیباچہ میں فرماتے ہیں -

"علم الکتاب کے ختم ہونے پر جو مطالب "قلبِ حیران پر" تراوش کرتے تھے اون کو میر اثر جمع کرتے گئے - جب مجموعہ تیار ہو گیا "نالۂ درد" نام رکھا گیا - اس میں لفظ نالہ کے ہم عدد ۳۴۱ نالے ہیں - یہ رسالہ سوز و گداز اور ولولۂ شوق سے معمور ہے چنانچہ خود فرماتے ہیں -

۵ درد می بارد از رسالۂ درد	شرحِ دردِ دل ست نالۂ درد

"آہِ سرد" اس میں بھی ۳۴۱ سرد آہیں ہیں - "نالۂ درد" و "آہِ سرد" دونوں مل کر گویا ایک کتاب ہیں - "درد دل" "نالۂ درد" "آہ سرد" دونو ختم ہو گئے مگر دردِ دل بدستور تھا - ناچار "دردِ دل"

لکھا۔ اس میں ۱۱۴۳ درد ہیں۔ ہر درد میں مطالب عرفان کی شرح ہے۔

شمع محفل۔ اس میں ۳۴۱ نور ہیں اور ہر نور معارف بلند سے [illegible] رسالہ کا آغاز خواجہ صاحب کی عمر کے باسٹھویں سال میں ہوا تھا۔ چھیاسٹھ برس کی عمر تک درد۔ اہ کے ساتھ اس کی تحریر جاری رہی۔ اس رسالہ کا خاتمہ حیرت خیز اور واقعہ عبرت انگیز ہے۔ خاتمہ میں فرماتے ہیں اب میری عمر کا چھیاسٹھواں سال ہے اور یہ رسالہ ختم ہو رہا ہے۔ مبارک اسم اللہ کے بھی عدد ۶۶ ہیں۔ صحیفہ واردات ۱۱۷۲ھ ہجری میں ختم ہوا تھا اوسی سال والد عالی مرتبہ نے چھیاسٹھ برس کی عمر میں رحلت فرمائی تھی۔ حسن اتفاق کہ اس رسالہ کا خاتمہ اس سال ہوا جو میرا سال ارتحال ہے۔ یہہ رسالہ۔ رسالہ "شمع محفل" کے ساتھ ۱۱۹۵ھ میں شروع ہوا تھا۔ ۱۱۹۹ھ میں ختم ہو رہا ہے۔ ظاہرا یہ خاتمہ توام ہے سکوت خاتمہ بالخیر راقم رسالہ سے" خواجہ صاحب کے کلام کا خلاصہ ختم ہوا۔ دیکھو اسی صفر کی ۲۴ تاریخ کو خواجہ صاحب نے رحلت فرمائی۔ یہہ کیا تھا۔ سائنس کے رمز شناس سوچیں "شمع محفل" کا نور (۳۲۹) اس راز پر روشنی ڈالتا ہے جہاں فرماتے ہیں کہ مجھ سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ سال ارتحال و حال انتقال مجھکو پیشتر سے بتلا دیا جائے گا۔ یعنی اجل ناگہاں نہیں پہنچیگا۔ چاروں مذکورۂ بالا رسالوں میں یہہ التزام ہے کہ سوائے اپنے اشعار فارسی کے اور کسی شاعر کا کلام درج نہیں کیا۔

"دیوان فارسی" دیوان فارسی مختصر ہے۔ ۱۳۰۹ھ ہجری میں مطبع انصاری دہلی سے شائع ہوا ہے۔ غزلیں ہیں۔ رباعیاں ہیں۔ مخمس وغیرہ بھی ہیں۔ زبان کا وہی انداز ہے جو فارسی گو شعراء ہند خان آرزو وغیرہ کا ہے۔ معرفت کی قوت کے لحاظ سے بہت بلند پایہ ہے۔ ایک شعر سن لیجئے۔

شد مقتضائے ظہور دو عالم وجود ما
جوشید نشاتین ز جوش شراب ما

اس شعر سے زور کلام اور قوت نسبت کا اندازہ کیجئے۔ اگر "نالۂ درد" وغیرہ کے اشعار بھی شامل دیوان ہو جائیں تو ایک ضخیم مجموعہ مرتب ہو جائے۔ نمونہ غزل فارسی۔

غزل

چو عکس زد بادہ توحید بہ میخانۂ ما	بحر دارد بہ گرہ قطرۂ پیمانۂ ما
بے پردہ گشائے حرم دل باشد	بستہ احرام رہش لغزش مستانۂ ما

دیدہ ما آئینہ باشد بامیدے کہ کند — جلوۂ یار قدم رنجہ بکاشانۂ ما
زینت و زیبِ زناں باد مبارک بزناں — سازد و نیا مکند ہمتِ مردانۂ ما

سنتِ طبع رسا وردِ بہمت بکشتم
آشنا کردہ بما معنیٔ بیگانۂ ما

غزل

آئینہ ایم فرما تا در حضور آئیم — ہر جلوہ کہ داری در خود ترا نمائیم
عرفانِ تیز بیں را حیرت گرفت آخر — اکنوں بہ نورِ ایماں چشمِ یقیں کشائیم
از آشنائے ما بیگانگی ست او را — بیگانہ وار ہستیم از بسکہ آشنائیم
ما چشمِ نقشِ پائیم دیدِ قصور داریم — گو در رہش فتادیم اما برہ نپائیم
او دلبر و دل آزا = ما دل ز دست دادہ — یا رب چہ پیش آید آمادۂ بلائیم
ما از وفا نپرسیم تو از جفا نگوئی — تا چند آزمائی تا چند آزمائیم

یاراں ز مہربانی دانند ہر چہ دانند
ما خوب می شناسیم ای دردؔ آنچہ مائیم

متفرق

در و سلطانِ بحر و بر گشتم — کہ لبِ خشک و چشمِ تر دارم

ولہٗ

صبح روزِ فراق شام بود — اے شبِ وصل شامِ تو سحر است

ولہٗ

فروغ ماہ در شبہا تواں دید — بہندوستاں نماید نورِ ایماں

ولہٗ

در دست چراغے کہ دریں راہ بگیرم — آئینہ بکف از دل آگاہ بگیرم

"دیوان اردو" — اس کا بیان آگے آتا ہے۔

ادبِ اردو

خواجہ صاحب اردو شعرا کے تیسرے دور میں آتے ہیں - میر و میرزا معاصر تھے دورِ سوم کے شعرا کی نسبت آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں "زبانِ اردو ابتدا میں کچا سونا تھی - اِن بزرگوں نے اوسے کدورتوں سے پاک صاف کیا اور ایسا بنادیا ہے کہ جس سے ہزاروں ضروری کام اور آرایشوں کے سامان حسینوں کے زیور بلکہ بادشاہوں کے تاج و افسر تیار ہوتے ہیں......... یہ اپنی صنعت میں کچھ کچھ تکلف بھی کریں گے مگر ایسا جیسے گلاب کے پھول پر شبنم یا تصویر پر آئینہ - انکا تکلف بھی اصل نزاکت پر کچھ لطف زیادہ کرے گا اوسکی خوبی پر پردہ نہ ہوگا۔ تم میر صاحب اور خواجہ میر درد کو دیکھو گے کہ اثر میں ڈوبے ہونگے" - آگے چلکر لکھتے ہیں "اپنے استادوں اور بزرگوں سے یہی سُنا کہ مرزا جان جاناں - سودا - میر - خواجہ میر درد - یہہ چار شخص تھے کہ جنہوں نے زبان اردو کو خراد اوتارا ہے"

کلام بالا سے خواجہ صاحب کے ادبی صفات یہ واضح ہوئے - زبان کو پاک اور کلام کو آراستہ کیا - خراد اوتارا - اس سے بھی بڑھکر شہادت میر تقی میر اور میر حسن کی ہے - میر صاحب جب اکبرآباد سے دلی آئے تو خواجہ صاحب کی خدمت میں شرف اندوز ہوتے رہے - اونکے مشاعرہ میں شریک ہوکر دارالخلافہ کے مذاق سے آشنا ہونے اور اہل زبان کی صحبت سے فیض حاصل کرنے کا موقع اونکو ملا - میر صاحب کی ترقی دیکھکر خواجہ صاحب فرماتے - "میر محمد تقی تو میر مجلس خواہی شد" - جب وہ مشاعرہ خواجہ صاحب کے یہاں بند ہوگیا - تو میر صاحب نے اونکی فرمایش سے اپنے یہاں مقرر کیا - اپنے مشاعرہ کی نسبت کہتے ہیں "واللہ کہ بذات ہمیں بزرگ ست" میر صاحب کو صاف اقرار ہے کہ اونکا کمال خواجہ صاحب کے پاک انفاس کا ممنونِ کرم ہے - چنانچہ لکھتے ہیں "الحمد للہ والمنة کہ حرفِ آں سر سلسلۂ خدا پرستاں مؤثر افتاد - باطنِ آن خضرِ قافلۂ اہلِ عرفاں کہ از ظاہرش ظاہر پرست نزود کار کرد - (دیکھو تذکرۂ میر تقی - حالات خواجہ صاحب) - میر حسن نے بھی ابتداءً ذوقِ شاعری کی پختگی خواجہ صاحب کی صحبت میں حاصل کی - کریم الدین لکھتے ہیں "بچپن سے میر حسن کو شوق نظم کا تھا - جب اس شوق کی ترقی چاہی خواجہ میر درد کی صحبت میں رہے - اسی فیض صحبت سے وہ اپنے ارادہ پر مضبوط اور قائم رہے" (ترجمہ کا سنڈی تاسی) خود میر حسن اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ "میرے اوستاد میر ضیاء ہیں مگر مجھ سے اونکے طرز کا کما حقہٗ نباہ نہو سکا - اس لئے میں نے دوسرے بزرگوں کی (مثل خواجہ میر درد - میرزا رفیع سودا - اور میر تقی میر) پیروی کی - خواجہ صاحب کی خصوصیت خاص یہہ ہے کہ اردو شاعری کے قالب میں حقیقت و معرفت کی روح پھونکی - مردہ جسم کو زندہ کیا - نمایاں وصف یہہ ہے کہ اردو ادب میں

مذاقِ صحیح پیدا کیا۔ میر تقی میر اور میر حسن اون کے صحبت یافتہ ہیں۔ اثر اور قائم اُن کے شاگرد ہیں۔ نیز فراق۔ بھکاری داس۔ عزیز نثار۔ آلم صاحبزادہ ہیں۔ ایک قریبی رشتہ دار شاعر مخلص ہیں۔

میر اثر کی مثنوی "خواب و خیال"، افسوس ہو کہ اب تک دستیاب نہیں ہوئی مگر جو اشعار اُس کے محفوظ ہیں اُن سے اور خواجہ حالی کی شہادت سے عیاں ہو کہ مثنوی مذکور ایک نمونہ تھی حُسنِ ادب کا۔ آبحیات میں آزادؔ نے تصریح کی ہو کہ میر حسن جو اندازِ بیان دِلّی سے لائے تھے وہ اُن کے خاندان نے آخر تک قائم رکھا۔ چنانچہ میر انیس کہدیتے تھے کہ "یہ میرے گھر کی زبان ہو۔ حضرات لکھنؤ اس طرح نہیں فرماتے"۔ نہ صرف یہ بلکہ اندازِ گفتگو۔ طرزِ معاشرت میں بھی آخر تک امتیاز قائم رہا۔ جن صاحبوں نے میر نفیس اور میرزا اوج کو دیکھا ہو وہ میرے بیان کی تصدیق کریں گے۔ اب یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ مثنوی خواب و خیال۔ مثنوی بدرِ منیر اور مراثی انیس سے جو فخر و شرف ادب اردو کو حاصل ہوا وہ خواجہ صاحب کے فیضِ تربیت کا ممنون ہو۔

خواجہ صاحب شاعری کی نسبت ایک موقعہ پر فرماتے ہیں۔ اس سے اندازہ کرو کہ کیسی پاکیزہ شاعری کا مفہوم خواجہ صاحب کے ذہن میں تھا۔ "شاعری ایسا کمال نہیں جس کو مرد۔ آدمی اپنا پیشہ بنالے اور اُس پر ناز کرے۔ البتہ انسانی ہنروں میں سے ایک ہنر ہو بشرطیکہ صلہ حاصل کرنے اور دربدر پھرنے کا آلہ نہ بنے اور مدح اور ہجو دنیا کمانے کے لیے نہ کہے ورنہ گداگری کی ایک صورت ہو اور طامعی اور بدنفسی کی دلیل" (نالۂ درد ۲۸)۔

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں: "اس سے پہلے بہت ہی کم آدمی ایسے نظر آتے تھے جو "سلسلہ جُنبانِ سخن" ہوں۔ آپ سے کہیں دوسروں سے سُنیں۔ دِل بے اختیار رہا کرتا تھا کہ دل پر جو معارف تازہ وارد ہوتے تھے اُن کو سخن فہم نکتہ سنجوں کے سامنے بیان کروں اور اُن سے ہمکلام ہوں یہ نتیجۂ انسانیت ہو اور نشانِ آدمیت۔ کلام مربوط عجیب لذت رکھتا ہو اور دل کو شگفتہ کر دیتا ہو۔ علمُ البیان کا یہی خلعت ہو جو خلیفۃ اللہ کو پہنایا گیا ہو۔ پاک فرشتوں کی مسجود یہ مشت خاک اِسی نعمت کی بدولت ہوئی ہو۔ اب معنی فہم انسانوں سے زمانہ بالکل خالی ہو چکا ہو۔ بعض جہلا توحید اس انداز سے بیان کرتے ہیں جو عین الحاد ہو۔ بعض جنگجو مذہب و ملت کی باتیں اس طرح کرتے ہیں جو منشاء فساد ہو جاتی ہیں۔ کچھ خام طبع باہم ملکر جوشِ اخلاص کا اظہار کرتے ہیں اور بیہودہ گوئی کے معرکے گرم کرتے ہیں۔ عقل و فہم کہاں۔ خدا ایسی صحبتوں کے شر سے محفوظ رکھے"

خود اپنی شاعری کی نسبت فرماتے ہیں: "فقیر کے اشعار باوجود رتبۂ شعری کی رعایت کے پیشۂ شاعری اور اندیشۂ ظاہری کے نتائج نہیں ہیں۔ بندہ نے کبھی شعر بدون آمد کے۔ اہتمام آورد سے موزوں نہیں کیا اور بہ تکلف کبھی شعر و سخن میں مستغرق نہیں ہوا۔ کبھی کسی کی مدح یا ہجو نہیں لکھی۔ کبھی فرمائش یا آزمائش سے متاثر ہو کر شعر نہیں کہا"

(علم الکتاب صفحہ ۹۱)

عشق مجازی کا مفہوم خواجہ صاحب کے یہاں معمولی سطح سے بلند تر ہو۔ فرماتے ہیں: "بوالہوسی عشق مجازی

نہیں ہے اور اس مجاز کو حقیقت کی راہ نہیں کہہ سکتے پیر کی محبت وہ عشقِ مجازی ہے جو مطلوبِ حقیقی تک پہنچا دیتی ہے
ع دردِ سر افزود از عشقِ بُتاں ؎ دردِ من مجو استم در دِ دلے۔ ایک اور موقع پر فرماتے ہیں "میں کبھی رسمی عشق بازی میں گرفتار نہیں ہوا۔لیکن دل "عاشقانہ صادقانہ" پایا ہے۔محبوبوں سے تو کبھی سابقہ نہیں رہا البتہ دوستوں کی صحبت بے تکلفانہ میں وقت گزارا ہے۔ دوستانِ ہمدم جب جمع ہوں اور "محفلِ زندہ دلی" گرم فرمائیں اِس مردہ دِل افسردہ خاطر" کو بھی یاد کریں اور فاتحہ خیر سے شاد"۔

مضامین بالا سے واضح ہوا ہوگا کہ خواجہ صاحب کی شاعری کی نوعیت اور تخیل شعر کی حقیقت کیا تھی؟

خواجہ صاحب کا **دیوان اُردو** مختصر ہے۔عام طور پر جو مطبوعہ نسخے ملتے ہیں بہت غلط ہیں۔ اسی لیے جناب **سید راس مسعود** صاحب کو صحیح نسخے کی اشاعت کا خیال پیدا ہوا۔اور بہت صحیح پیدا ہوا۔حیدرآباد میں ایک سے زائد قلمی دیوان درد کے نسخے میرے ہاتھ آئے۔ سید صاحب کی فرمائش سے میں نے **سید معین الدین صاحب** شاہجہان پوری (مترجم نپولین اعظم وغیرہ) کو تصحیح و مقابلے کی تکلیف دی۔اہل ادب کو ممنون ہونا چاہیے کہ نہایت محنت و دیدہ ریزی سے اُنھوں نے ایک صحیح نسخہ مرتب فرمادیا اُسی نسخے سے یہہ دیوان طبع ہوا ہے۔ طبع کے بعد جب میں حیدرآباد سے حبیب گنج آیا تو کتاب خانہ میں ایک قدیم مطبوعہ نسخہ موجود ملا جو دِہلی کے مطبع مصطفائی میں ۱۸۵۵ء میں اہتمام سے طبع ہوا تھا۔یہہ نسخہ بہت صحیح ہے اور متعدد صحیح نسخوں کے مقابلے سے چھاپا گیا تھا۔میں نے اِس نسخے سے بھی مقابلہ کرنے کی خواہش **سید معین الدین** صاحب سے کی اور اُنھوں نے مہربانی سے محنت کرکے مقابلہ کیا۔یہہ دیکھکر مسرت ہوئی کہ حالیہ مطبوعہ نسخہ قدیم سے بالکل مطابق نکلا۔صحت میں بھی اور مقدار کلام میں بھی۔

خواجہ صاحب کے کلام میں بعض ایسے الفاظ ضرور ہیں جو اب متروک ہوچکے ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ جو زبان آج فصیح سمجھی جاتی ہے کل اُس کے کتنے الفاظ غیر فصیح اور نامانوس مانے جائینگے۔لیکن اسی کے ساتھ معرفت اور حقیقت کا رنگ۔کلام کی پاکیزگی۔تخیل کی بلندی درد کی چاشنی سوز وگداز کا کندن ہر جگہ عیاں ہے تاباں ہے اشعار ذیل اس دعوے کے شاہد ہیں:۔

غزل

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا ۔۔۔ حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

جس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے ۔۔۔ کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن ۔۔۔ آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

ہے خوف اگرچہ میں تو ہے تیرے غضب کا ۔۔۔ اور دل میں بھروسا ہے تو تیرے ہی کرم کا

مانند حباب آنکھ تو اے درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

دیگر

مژگان تر ہوں یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہوں سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہی دور آپ کو میری فسر و تنی
اُفتادہ ہوں پہ سایۂ قدِّ کشیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں

کرتی ہی بوئے گل تو میرے ساتھ اختلاط
پر آہ - میں تو موجِ نسیمِ وزیدہ ہوں

جاہے ہی یہ مری تپشِ دل کہ بعد مرگ
کنجِ مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

اے درد جا چکا ہی مرا کام ضبط سے
میں غمزدہ تو قطرہ اشکِ چکیدہ ہوں

دیگر

ہر طرح زمانے کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

ہم گلشنِ دوراں میں لے خفتگیِ طالع
سر سبز تو ہیں لیکن جوں سبزہ خوابیدہ

اے شورِ قیامت رہ اودھر ہی میں کہتا ہوں
چونکے ہی ابھی یاں سے کوئی دل شوریدہ

اوروں سے تو ہنستے ہو نظروں سے ملا نظریں
ایدھر کو نظر کوئی پھینکی بھی تو دزدیدہ

مجھ پر بھی تو یہ عقدہ تو کھول صبا بارے
زلفوں نے کسے بھیجا یہ نامہ پیچیدہ

بدخواہ سبھی عالم گو ہووے تو ہو لیکن
یارب نہ کسی کے ہوں دشمن یہ دل و دیدہ

کرتا ہی جگہہ دل میں جوں ابروے پیوستہ
اے درد یہ تیرا تو ہر مصرعہ چسپیدہ

کاسشش تا شمع نہ ہوتا گر یہ پروانہ
شمع کے صدقے تو ہوتے ابھی دیکھا تھا اُسے
کیوں اُسے آتشِ سوزاں میں لیے جاتی ہے
ایک ہی جست میں لی منزلِ مقصود اُس نے

تم نے کیا قہر کیا۔ بال و پر پروانہ
پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثرِ پروانہ
سوجھتا بھی ہے تجھے کچھ نظرِ پروانہ
راہرو۔ رشک کی جا ہے سفرِ پروانہ

شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے دردؔ میں کس سے خبرِ پروانہ

دیگر

اُس کی بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
خلوتِ دل نے کر دیا اپنے ہو اس میں خلل
ہو وے تو درمیان سے اپنے تئیں اُٹھائیے
نالۂ و آہ کیجیے خونِ جگر ہی پیجیے
خیر تجھے جو چاہیے بدرقۂ جنوں نہ چھوڑ
غیرِ ملال زاہدا۔ کیا ہے طریقِ زہد میں

فصلِ بہار جس کے ہاں ایک یہ گل فروش ہے
حُسن بلائے چشم ہے۔ نغمہ وبالِ گوش ہے
یار نہیں ہے اور کچھ۔ سر ہی وبالِ دوش ہے
عہدِ شباب کہتے ہیں موسمِ ناؤ نوش ہے
ہمنے جہاں کی سیر کی۔ رہزنِ خلق ہوش ہے
دل ہو شگفتہ جس جگہ۔ کوچۂ مَیفروش ہے

اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں
دردؔ اگر لباس ہے دیدۂ عیب پوش ہے

دیگر

آفتِ جان و دل تو یاں وہ بُتِ خود فروش ہے
دل کو سیاہ مست کر۔ کچھ بھی تجھے جو ہوش ہے
کس کی یہ ہوتی ہے صبا گفت و شنید باغ میں
آتشِ گل جنوں مرا گرم کرے سو یہ نہیں
حادثۂ زمانہ کیا تیری جفا سو کب یلا

پہلے ہی جس کے پیشکش۔ صبر و قرار ہوش ہے
کہتے ہیں کعبہ اس کو۔ اور کعبہ سیاہ پوش ہے
غنچے سبھی دہان ہیں۔ گل بھی تمام گوش ہے
سینہ ہمیشہ آگ ہے دل میں سدا ہی جوش ہے
ہم کو سپہر مت ڈرا۔ نیش بھی یاں تو نوش ہے

ہم نے تو ایک مصیبت چاہی چھپے نہ چھپ سکی آہ کہیں یہ ناتواں حال کرے سو کیا بیاں دور نہیں ہوا ہمیں رنج شعور ساقیا		اپنے گناہ کو ترا عفو ہی پردہ پوش ہے منہ پہ ہے مہر خاموشی دل میں بھرا خروش ہے اک دو سہ جام اور بھی باقی ابھی تو ہوش ہے

	محنت و رنج و غم سے یاں ورد نہ جی چھپایئے بار سبھی اُٹھایئے جب تئیں سر بہ دوش ہے	

آخر میں یہ لکھدینا ضروری ہے کہ جو حالات اس مقدمے میں لکھے گئے ہیں اُن کا ماخذ خود خواجہ صاحب کی تصانیف ہیں بعض حالات یا مضامین ایسے بھی درج ہوئے جو دوسری کتابوں سے ماخوذ ہیں اُن کا حوالہ موقع پر دیدیا گیا ہے۔

میں ممنون ہوں کہ سید ناصر نذیر صاحب فراق دہلوی سے قیمتی مدد ملی ہے۔ ناشکری ہوگی اگر میں نہ لکھوں کہ خواجہ صاحب کی نادر اور نایاب تصانیف (علم الکتاب۔ و نالۂ درد وغیرہ) اور خواجہ عندلیب صاحب کی نالۂ عندلیب کی اشاعت کی سعادت نواب سیّد نور الحسن خاں مرحوم بھوپالی کو نصیب ہوئی۔ یہ دین و علم کی ایسی بیش بہا خدمت تھی جو ہمیشہ اہل دل کو اُن کا ممنون رکھیگی۔ جزاہ اللہ خیرا۔ اللہ بس۔ باقی ہوس

محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی
المخاطب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر
حبیب گنج۔ ضلع علی گڑھ

۱۵ محرم الحرام ۱۳۴۲ھ م ۲۹ راگست ۱۹۲۳ء
یوم چہارشنبہ

گزارش

سید راس مسعود صاحب المخاطب بہ نواب مسعود جنگ ناظم تعلیمات سرکار آصفیہ کی ادبی سرگرمیاں اک عرصے سے اساتذہ اردو کے کلام کو صحیح اور خوشنما صورت میں چھاپنے کی طرف متوجہ ہیں۔ نظامی پریس بدایوں کی خوش قسمتی ہی کہ اس تجویز کو عملی شکل دینے کے لیے اس کو منتخب کیا گیا یہ سلسلہ سرکار آصفیہ کے نام سے منسوب ہی۔ دیوان درد جو آج آپ کے مبارک ہاتھوں میں پہونچتا ہی اس سلسلے کی تیسری کڑی ہی۔ چونکہ ہر دیوان کے ساتھ ایک مقدمہ شامل ہونے کا دستور ہو گیا ہی اس لیے سید راس مسعود صاحب نے اس دیوان کے لیے مولانا حبیب الرحمن خاں صاحب شیروانی المخاطب بہ نواب صدر یار جنگ بہادر کا انتخاب کیا۔ مقدمے کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ سید صاحب کا یہ انتخاب کہاں تک صحیح ہی۔ مقدمہ جس تلاش و تجسس سے لکھا گیا ہی وہ دراصل شیروانی صاحب ہی کا حصہ تھا۔ اگرچہ اس کی وجہ سے شائقین کلام درد کو کسی قدر زیادہ انتظار کرنا پڑا لیکن مجھے اُمید ہی کہ مقدمے کی اہم معلومات اور دقیق نکات سے اس کا پورا معاوضہ ہو جائے گا ارادہ تو یہ تھا کہ قدیم اردو کے متروک الفاظ و محاورات کی ایک فرہنگ بھی شامل کر دی جاتی لیکن ہم ناظرین کو مزید انتظار کی تکلیف دینا نہیں چاہتے تھے اور افسوس ہی کہ یہ ارادہ آیندہ اشاعت کے لیے ملتوی کرنا پڑا۔

دیوان کی صحیح کتابت اور اُس کی خوشنما طباعت کے لحاظ سے کہا جا سکتا ہی کہ یہ "دیوان درد" جو کارکنان نظامی پریس کی ادبی سعی کا ایک نمونہ ہو اپنا آپ ہی نظیر ہی -

خواجہ میر درد کے کلام میں دنیا کی بے ثباتی کی تصویر سوز و گداز کے مضامین عجیب دلکش پیرایہ میں ادا کیے گئے ہیں- ان کا تخیل نہایت زبردست ہی اخلاقی نکات سے ان کا کلام مالا مال ہی- اگر ہم خواجہ صاحب کے دیوان کی نسبت یہ کہیں کہ وہ پند و نصائح کے بیش بہا جواہر ریزوں کا گنجینہ ہی تو کچھ بیجا نہیں وہ خود فرماتے ہیں ؎

ہوں قافلہ سالار طریق قدما درد
چوں نقش قدم خلق کو میں راہنما ہوں

امید ہی کہ ہماری موجودہ نسل جس نے مغربی تعلیم کی روشنی میں پرورش پائی ہی- اس قدیم ایشیائی شاعر کے نادر کلام سے فائدہ اُٹھائے گی اور اس زمانہ میں بھی جبکہ اُس کی تصنیف کو کم و بیش ڈیڑھ سو سال گزر چکے ہیں وہ عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا فقط

خاکسار

نظامی بدایونی عفی عنہ

نظامی پریس بدایوں

۱۶ر صفر ۱۳۴۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الف

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کی رقم کا
حقا کہ خداوند ہی تو لوح و قلم کا

جس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہی
کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سایہ میں سب شیخ و برہمن
آباد ہی تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا

ہی خوف اگر جی میں تو ہی تیرے غضب کا
اور دل میں بھروسا ہی تو تیرے ہی کرم کا

مانند حباب آنکھ تو ای درد کھلی تھی
کھینچا نہ پر اس بحر میں عرصہ کوئی دم کا

دو نو جہاں کو روشن کرتا ہی نور تیرا
اعیان ہیں مظاہر ظاہر ظہور تیرا

یاں افتقار کا تو امکاں سبب ہوا ہی
ہم ہوں نہ ہوں ولے ہی ہونا ضرور تیرا

باہر نہ ہو سکی تو قیدِ خودی سے اپنی
ای عقلِ بے حقیقت دیکھا شعور تیرا

ہی جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت
یاں بھی شہود تیرا واں بھی حضور تیرا

جھکتا نہیں ہمارا دل تو کسی طرف یاں
جی میں بھرا ہوا ہی از بس غرور تیرا

ای درد منبسط ہی ہر سو کمال اُس کا
نقصان گر تو دیکھے تو ہی قصور تیرا

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا
ہم سبھی مہماں تھے یاں اک توہی صاحب خانہ تھا

وائے نادانی کہ وقتِ مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

حیف کہتے ہیں ہوا گلزار تاراجِ خزاں
آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا

ہو گیا مہماں سرائے کثرتِ موہوم آہ
وہ دلِ خالی کہ تیرا خاص خلوتخانہ تھا

بھول جا خوش رہ عبث وے سابقے مت یاد کر
درد یہ مذکور کیا ہے آشنا تھا یا نہ تھا

کبھی خوش بھی کیا ہے دل کسی رندِ شرابی کا
بھڑا دے منہ سے منہ ساقی ہمارا اور گلابی کا

چھپے ہرگز نہ مثلِ بو وہ پردوں کے چھپائے سے
مزا پڑتا ہے جس گل پیرہن کو بے حجابی کا

شرار و برق کی سی بھی نہیں یاں فرصتِ ہستی
فلک نے ہم کو سونپا کام جو کچھ تھا شتابی کا

میں اپنا دردِ دل چاہا کہوں جس پاس عالم میں
بیاں کرنے لگا قصہ وہ اپنی ہی خرابی کا

کبودِ چرخ دیکھا تو سواری کے نہیں قابل
مہِ نو سے ہے پیدا عیب اس کی بدرکابی کا

زمانے کی نہ دیکھی جرعہ ریزی درد کچھ تو نے
ملایا مثلِ مینا خاک میں خوں ہر شرابی کا

جان پر کھیلا ہوں میں میرا جگر دیکھنا
جی نہ رہے یا رہے مجھ کو ادھر دیکھنا

گرچہ وہ خورشید رو ہے مرے سامنے
تو بھی میسر نہیں بھر کے نظر دیکھنا

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

ذکرِ وفا کیجیے اس سے جو واقف نہ ہو
کہتے ہو کس سے یہ تم ٹک تو ادھر دیکھنا

مثلِ شررِ تنگ چشمِ ہستی سنے بود ہے
دیکھ نہ سکنا اسے ٹک بھی جدھر دیکھنا

نالۂ دل کا اثر دیکھ لیا درد بس

جی میں نہ رہ جاے یہ آہ بھی۔ کر دیکھنا

اکسیر پر مہوس اتنا نہ ناز کرنا
بہتر ہی کیمیا سے اپنا گداز کرنا

کب دل ملے کسی کا ہم غمزدوں سے کھل کر
ہی اپنے دل سے لازم جوں غنچہ ساز کرنا

ای آنسوؤ نہ آوے کچھ دل کی بات منہ پر
لڑکے ہو تم کہیں مت افشاے راز کرنا

تو اپنے ہاتھوں آپ ہی پڑتا ہی تفرقہ میں
ای امتیاز ناداں ٹک امتیاز کرنا

ہم جانتے نہیں ہیں ای درد کیا ہی کعبہ
جیدھر پھرے وہ ابرو اودھر نماز کرنا

مثلِ نگیں جو ہم سے ہوا کام رہ گیا
ہم روسیاہ جاتے رہے نام رہ گیا

یارب یہ دل ہی یا کوئی مہماں سرا ہی
غم رہ گیا کبھو۔ کبھو آرام رہ گیا

ساقی مرے بھی دل کی طرف ٹک نگاہ کر
لبِ تشنہ تیری بزم میں یہ جام رہ گیا

سو بار سوزِ عشق نے دی آگ پر ہنوز
دل وہ کباب تھا کہ جگر خام رہ گیا

ہم کب کے چل بسے تھے پر ای مژدہ وصال
کچھ آج ہوتے ہوتے سرانجام رہ گیا

مدت سے وہ تپاک تو موقوف ہو گئے
اب گاہ گاہ بوسہ بہ پیغام رہ گیا

ازبس کہ ہم نے حرف دوئی کا اٹھا دیا
ای درد اپنے وقت میں ابہام رہ گیا

جگ میں آکر ادھر اودھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

جان سے ہو گئے بدن خالی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا

نالہ فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا سو کر دیکھا

ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا

اور عاشق مزاج ہی کوئی
درد کو قصہ مختصر دیکھا

خواہش تو بیدل ترا یاں تلک تو جی سے سیر تھا
کبھی تو تھی تا ثیر آہِ آتشیں سے اس کو بھی
حرص کرواتی ہی روبہ بازیاں سب نہ یاں
اشک نے میرے ملا ے کتنے ہی دریا کے پاٹ

زندگی کا اس کو جو دم تھا دمِ شمشیر تھا
جب تلک پہونچے ہی پہونچے راکھ کا یاں ڈھیر تھا
اپنے اپنے بوریئے پر جو گدا تھا شیر تھا
دامنِ صحرا ہیں ورنہ اس قدر کب گھیر تھا

شیخ کعبے ہو کے پہونچا ہم کنشتِ دل میں ہو
درد منزل ایک تھی کچھ راہ ہی کا پھیر تھا

کام یاں جس نے جو کہ ٹھہرایا
بے طرح کچھ الجھ گیا تھا دل
آنسو کب تک کوئی پیئے جاوے
دشمنی بیں سنا نہ ہووے گا

جب تلک ہووے آپ ہی کام آیا
بے وفائی نے تیری سلجھایا
اس محبت نے جی بہت کھایا
جو ہمیں دوستی نے دکھلایا

ہم نہ کہتے تھے منہ نہ چڑھ اس کے
درد کچھ عشق کا مزا پایا

اگر یوں ہی یہ دل ستاتا رہے گا
میں جاتا ہوں دل کو ترے پاس چھوڑے
گلی سے تری دل کو لے تو چلا ہوں
جفا سے غرض امتحانِ وفا ہی

تو اک دن مرا جی ہی جاتا رہے گا
مری یاد تجھ کو دلاتا رہے گا
میں پہونچونگا جب تک یہ آتا رہے گا
تو کہہ کب تلک آزماتا رہے گا

قفس میں کوئی تم سے اے ہم صفیرو
خبر گل کی ہم کو سناتا رہے گا

خفا ہو کے اے دردؔ مر تو چلا تھا
کہاں تک غم اپنا چھپاتا رہے گا

جی میں ہے سیرِ عدم کیجیے گا
یک بیک خلق سے رم کیجیے گا

ہو رہے پھر تو یہاں ہم ہی ہیں
اور کس پر یہ کرم کیجیے گا

سخت بے باک ہے یہ خامۂ شوق
اپنے ہاتھوں کو قلم کیجیے گا

ٹک بھی گردوں نے اگر فرصت دی
عیش کو کشتۂ غم کیجیے گا

گرمیِ اشک سے مانندِ شراب
آب و آتش کو بہم کیجیے گا

سینۂ و دل کے تئیں داغوں سے
رشکِ گلزارِ ارم کیجیے گا

قصد ہے قطع بطورِ مستاں
عرصۂ دیر و حرم کیجیے گا

پھر جب آوے گی جی میں جوں برق
راہ طے اک دو قدم کیجیے گا

شدتِ مہرِ بتاں دل سے آہ
دردؔ کس طرح سے کم کیجیے گا

ہم نے کس رات نالہ سر نہ کیا
پر اسے آہ نے اثر نہ کیا

سب کے ہاں تم ہوئے کرم فرما
اس طرف کو کبھو گزر نہ کیا

کیوں بھویں تانتے ہو بندہ نواز
سینہ کس وقت میں سپر نہ کیا

کتنے بندوں کو جان سے کھویا
کچھ خدا کا بھی تو نے ڈر نہ کیا

دیکھنے کو رہے ترستے ہم
نہ کیا رحم تو نے پر نہ کیا

آپ سے ہم گزر گئے کب کے
کیا ہے ظاہر میں گو سفر نہ کیا

کونسا دل ہی وہ کہ جس میں آہ — خانہ آباد تو نے گھر نہ کیا
تجھ سے ظالم کے سامنے آیا — جان کا میں نے کچھ خطر نہ کیا

سب کے جوہر نظر میں آئے دردؔ
بے ہنر تو نے کچھ ہنر نہ کیا

قتل عاشق کسی معشوق سے کچھ دور نہ تھا — پر ترے عہد کے آگے تو یہ دستور نہ تھا
رات مجلس میں ترے حسن کے شعلے کے حضور — شمع کے منہ پہ جو دیکھا تو کہیں نور نہ تھا
ذکر میرا ہی وہ کرتا تھا صریحاً لیکن — میں جو پہونچا تو کہا خیر یہ مذکور نہ تھا
باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے — واں یہ پہونچا کہ فرشتے کا بھی مقدور نہ تھا
پرورش غم کی ترے یہاں تئیں تو کی دیکھا — کوئی بھی داغ تھا سینہ پہ کہ ناسور نہ تھا
محتسب آج تو میخانہ میں تیرے ہاتھوں — دل نہ تھا کوئی کہ شیشے کی طرح چور نہ تھا

دردؔ کے ملنے سے ای یار برا کیوں مانا
اس کو کچھ اور سوا دید کے منظور نہ تھا

جگ میں کوئی نہ ٹک ہنسا ہوگا — کہ نہ ہنسنے میں رو دیا ہوگا
ان نے قصداً بھی میرے نالے کو — نہ سنا ہوگا گر سنا ہوگا
دیکھیے غم سے اب کے جی میرا — نہ بچے گا بچے گا کیا ہوگا
دل زمانے کے ہاتھ سے سالم — کوئی ہوگا کہ رہ گیا ہوگا
حال مجھ غم زدے کا جس تس نے — جب سنا ہوگا رو دیا ہوگا
دل کے پھر زخم تازہ ہوتے ہیں — کہیں غنچہ کوئی کھلا ہوگا
یک بیک نام لے اٹھا میرا — جی میں کیا اس کے آ گیا ہوگا

قطعہ

میرے نالوں پہ کوئی دنیا میں — بن کیے آہ کم رہا ہوگا

لیکن اُس کو اثر خدا جانے
نہ ہوا ہوگا یا ہوا ہوگا

قتل سے میرے وہ جو باز رہا
کسی بدخواہ نے کہا ہوگا

دل بھی اے درد قطرۂ خوں تھا
آنسوؤں میں کہیں گرا ہوگا

تو اپنے دل سے غیر کی اُلفت نہ کھو سکا
میں چاہوں اور کو تو یہ مجھ سے نہ ہو سکا

رکھتا ہوں ایسے طالعِ بیدار میں کہ رات
ہمسایہ میرے نالوں کی دولت نہ سو سکا

گو نالہ نارسا ہو نہ ہو آہ میں اثر
میں نے تو درگزر نہ کی جو مجھ سے ہو سکا

دشتِ عدم میں جاکے نکالوں گا جی کا غم
کنجِ جہاں میں کھول کے دل میں نہ رو سکا

جوں شمع روتے روتے ہی گزری تمام عمر
تو بھی تو درد داغِ جگر کو نہ دھو سکا

انداز وہ ہی سمجھے مرے دل کی آہ کا
زخمی جو ہو چکا ہو کسی کی نگاہ کا

زاہد کو ہم نے دیکھ لیا جوں نگیں بعکس
روشن ہوا ہے نام تو اس روسیاہ کا

ہر چند فسق میں تو ہزاروں ہیں لذتیں
لیکن عجب مزا ہے فقط دل کی چاہ کا

لیکن ازل سے تا بہ ابد ایک آن ہے
گر درمیان حساب نہ ہو سال و ماہ کا

رحمت قدم نہ رنجہ کرے گر تری ادھر
یا رب ہے کون پھر تو ہمارے گناہ کا

دل اُس مژہ سے رکھیو نہ تو چشمِ راستی
اے بے خبر بُرا ہے یہ فرقہ سپاہ کا

شاہ و گدا سے اپنے تئیں کام کچھ نہیں
نے تاج کی ہوس نہ ارادہ کلاہ کا

سو بار دیکھیں میں نے تیری بے وفائیاں
تس پر بھی نت غرور ہے دل میں نباہ کا

اے درد چھوٹتا ہی نہیں مجھ کو جذبِ عشق
کچھ کہربا سے بس نہ چلے برگِ کاہ کا

دل کس کی چشمِ مست کا سرشار ہو گیا
کس کی نظر لگی جو یہ بیمار ہو گیا

کچھ ہو خبر تجھے بھی کہ اُٹھ اُٹھ کے رات کو
عاشق تری گلی میں کئی بار ہو گیا

بیٹھا تھا خضر آ کے مرے پاس ایک دم
گھبرا کے اپنی زیست سے بیزار ہو گیا

چاک جگر تو سیکڑوں خاطر میں کچھ نہ تھے
دل کی تپش کے آگے میں ناچار ہو گیا

کھٹکی کبھو دلوں میں نہ تیری صدا جرس
نالہ مرا تو چھوٹتے ہی پار ہو گیا

اے درد ہم سے یار ہے اب تو سلوک میں
خط زخم دل کو مرہم زنگار ہو گیا

تم نے تو ایک دن بھی نہ ایدھر گزر کیا
ہم نے ہی اس جہان سے آخر سفر کیا

جن کے سبب سے دیر کو تو نے کیا خراب
اے شیخ اُن بتوں نے مرے دل میں گھر کیا

تیرے سبب سے اور بھی مجھ پر غضب ہوا
اے نالہ واہ خوب یہ تو نے اثر کیا

کم فرصتی سے ہستی نے بے اعتبار کی
شرمندہ تیرے آگے ہمیں اے شرر کیا

پیکان دل کے ساتھ ہوا جب معانقہ
سینہ سے تب خدنگ نے تیرے گزر کیا

روتا ہے گرم جوشی میں یاد کر کے درد
آتش نے مجھ کو شمع کے مانند تر کیا

شب گزری اور آفتاب نکلا
تو گھر سے بھلا شتاب نکلا

اے آتش عشق جس کو ہم یاں
دل سمجھے تھے سو کباب نکلا

ایدھر کو جو منہ کرا کے دیکھا
کچھ تو جی سے حجاب نکلا

ہر چند کیے ہزار نالے
پر دل سے نہ اضطراب نکلا

میخانۂ عشق میں تو اے درد
تجھ سا نہ کوئی خراب نکلا

مانند فلک دل متوطن ہے سفر کا
معلوم نہیں اس کا ارادہ ہے کدھر کا

جوں چاہیے اس طرح بیاں ہم سے نہ ہو گا
گر اپنے دہن سے ہی تو وصف اپنی کمر کا

آزاد کسی کی بھی اُٹھاتے نہیں منت
نے خونِ جگر داغ تو مرجھا ہی چلے تھے

دیکھا نہ کسو سروِ کو تہ بار ثمر کا
ہوتا نہ اگر چشمہ مرے دیدۂ تر کا —

کہسار پہ ہر سنگ یہ کہتا تھا پکارے
ای درد مقر ہوں ترے نالوں کے اثر کا

ٹھہر جا ٹک بات کی بات ای صبا
لے نہ جاوے حرصِ اہلِ فقر کو
رات جب پہونچا میں اس کے روبرو
کھل گیا جو کچھ کہ تھا - ای نیستی!

کوئی دم کو ہم بھی ہوتے ہیں ہوا
بہ سکے کب موجِ نقش بوریا
جوں زبانِ شمع گم تھا مدعا
ہستیِ موہوم کا یاں افترا

درد میری تیرہ بختی کے تئیں
ڈھونڈھیو ہمسایۂ ظلِ ہما

کھلا دروازہ میرے دل پہ ازبس اور عالم کا
بلند و پست سب ہموار ہیں اپنی نگاہوں میں
گلستانِ جہاں کی دید کچھ چشمِ عبرت سے
چمن میں باغباں سے صبح کو کہتی تھی یہ بلبل

نہ اندیشہ ہی شادی کا مجھے نے فکر ہی غم کا
برابر سازیں ہوتا ہی جوں سرِ زیر اور بم کا
کہ ہر اک سروِ قد ہی اس چمن میں نخلِ ماتم کا
گلوں کے منہ پہ یوں چڑھتی ہی دیدہ دیکھ شبنم کا

نہیں مذکورِ شاہاں درد ہرگز اپنی مجلس میں
کبھو کچھ ذکر آیا بھی تو ابراہیم ادہم کا

سینہ و دل حسرتوں سے چھا گیا
تجھ سے کچھ دیکھا نہ ہم نے جز جفا

بس ہجومِ یاس - جی گھبرا گیا —
پر وہ کیا کچھ ہی کہ جی کو کھا گیا —

کھل نہیں سکتی ہیں اب آنکھیں مری
جی میں یہ کس کا تصور آ گیا

میں نے تو ظاہر نہ کی تھی دل کی بات
پر مری نظروں کے ڈھب سے پا گیا

پی گئی کتنوں کا لوہو تیری یاد
غم ترا کتنے کلیجے کھا گیا

مٹ گئی تھی اس کے جی سے تو جھجک
درد کچھ بک بک کے تو چونکا گیا

دنیا میں کون کون نہ یک بار ہو گیا
پر منہ پھر اس طرف نہ کیا اس نے جو گیا

پھرتی ہے میری خاک صبا دربدر لیے
اے چشم اشکبار یہ کیا تجھ کو ہو گیا

آگاہ اس جہاں سے نہیں غیر بیخوداں
جاگا وہی ادھر سے جو موند آنکھ سو گیا

طوفان نوح نے تو ڈبائی زمیں فقط
میں ننگ خلق ساری خدائی ڈبو گیا

برہم کہیں نہ ہو گل و بلبل کی آشتی
ڈرتا ہوں آج باغ میں وہ تندخو گیا

واعظ کسے ڈراوے ہے یوم الحساب سے
گریہ مرا تو نامۂ اعمال دھو گیا

پھوٹے گی اس زبان میں بھی گلزار معرفت
یاں میں زمین شعر میں یہ تخم بو گیا

آیا نہ اعتدال پہ ہرگز مزاج دہر
میں گرچہ گرم و سرد زمانہ سمو گیا

اے درد جس کی آنکھ کھلی اس جہان میں
شبنم کی طرح جان کو اپنی وہ رو گیا

تجھی کو جو یاں جلوہ فرما نہ دیکھا
برابر ہے دنیا کو دیکھا نہ دیکھا

مرا غنچۂ دل ہے وہ دل گرفتہ
کہ جس کو کسو نے کبھو وا نہ دیکھا

یگانہ ہے تو آہ بیگانگی میں
کوئی دوسرا اور ایسا نہ دیکھا

اذیت، مصیبت، ملامت، بلائیں
ترے عشق میں ہم نے کیا کیا نہ دیکھا

کیا مجھ کو داغوں نے سروِ چراغاں
تغافل نے تیرے یہ کچھ دن دکھائے
حجابِ رخِ یار تھے آپ ہم ہی

کبھو تو نے آکر تماشا نہ دیکھا —
ادھر تو نے لیکن نہ دیکھا نہ دیکھا —
کھلی آنکھ جب کوئی پردا نہ دیکھا

شب و روز ای درد درپے ہو اس کے —
کسو نے جسے یاں نہ سمجھا نہ دیکھا

نشہ کیا جانے وہ کہنے کو مے آشام ہی شیشا
صراحی و کدو تک خلق ای ساقی بھرے لے ہی
شب و روز اس طرح گزرے ہی اپنی تو نہ پوچھ کچھ
نگاہِ مستاں آنکھوں کی ٹک ایدھر بھی ہو ساقی

جہاں میں دخترِ رز سے عبث بدنام ہی شیشا
مگر اپنا ہی خالی جوں دلِ ناکام ہی شیشا
صراحی صبح کو گر ہاتھ ہی تو شام ہی شیشا
کہ ہم کم حوصلہ کے حق میں ہر اک جام ہی شیشا

نہ ہو گل گل شگفتہ کیونکہ دل ای درد مستوں کا
مے گلگوں کی دولت سر بسر گلفام ہی شیشا

تو بن کہے گھر سے کل گیا تھا
اب دل کو سنبھالنا ہی مشکل
آنسو مرے جو آنکھوں نے پونچھے
پھر ہونے لگا یہ دل تو نے چین
بارے پھر مہرباں ہوا ہی
شب ٹک جو ہوا تھا وہ ملایم

اپنا بھی تو جی نکل گیا تھا
اگلے دنوں کچھ سنبھل گیا تھا
کل دیکھ رقیب جل گیا تھا
کتنے روز دن بہل گیا تھا
نے طرح سے کچھ بچل گیا تھا
اپنا بھی تو جی پگھل گیا تھا

میں سامنے سے جو مسکرایا
ہونٹھ اس کا بھی درد ہل گیا تھا

یوں ہی ٹھہری کہ ابھی جایئے گا
پھر شتابی تو بھلا آیئے گا

جی کی جی ہی میں نہ رکھ جایئے گا
بات جو ہوگی سو فرمایئے گا

رخ ہمارا بھی اگر پایئے گا
تو تو منہ اپنا بھی دکھلایئے گا

میں جو پوچھا کبھو آوگے کہا
جی میں آجائے گا تو آیئے گا

کیونکہ گزرے گی بھلا دیکھوں ہوں
گر اسی طرح سے شرمایئے گا

میں خدا جانے یہ کیا دیکھوں ہوں
آپ کچھ جی میں نہ بھرمایئے گا

میرے ہونے پہ عبث رکتے ہو
پھر اکیلے بھی تو گھبرایئے گا

پوچھ کر حال تو پھر سنتے نہیں
بس مجھے اور نہ بکوایئے گا

کہیں لوگوں میں بھلا ہم کو بھی
پھرتے چلتے نظر آجایئے گا

زلف میں دل کو تو الجھاتے ہو
پھر اسے آپ ہی سلجھایئے گا

خدمت اوروں ہی کو فرماتے ہو
کبھو بندے کو بھی فرمایئے گا

قتل تو کرتے ہو مجھ کو لیکن
بہت سا آپ ہی پچھتایئے گا

حرم و دیر تو ہم چھان چکے
کہیں اس کا بھی نشاں پایئے گا

درد ہم اس کو تو سمجھائیں گے پر
اپنے تئیں آپ بھی سمجھایئے گا

بظاہر کہیں غنچہ دل سے ملا تھا
کل اس کا گریبان و دست صبا تھا

تمنا مرخص ہوئی ناامیدی
یہ کیا ہو گیا اور مرے دل میں کیا تھا

جو اس طرح غیروں سے ملتا پھرے ہے
کبھی تو ہمارا بھی وہ آشنا تھا

کہا میں مرا حال تم تک بھی پہونچا
کہا تب اچنبا سا کچھ میں سنا تھا

برائی تری کچھ نہیں بات کیا ہے
مرا دل ہی یہ میرے حق میں برا تھا

تم آکر جو پہلے ہی مجھ سے ملے تھے
نگاہوں میں جادو سا کچھ کر دیا تھا

بلائیں جو کچھ اُس کے ملنے سے دیکھیں
نہ ملتے تو ای درد اس سے بھلا تھا

اپنا تو نہیں یار میں کچھ یار ہوں تیرا
تو جس کی طرف ہووے طرفدار ہوں تیرا
کرتے جینے پھرے جی نہ کرتا تیری بلا سے
اپنا تو نہیں غم مجھے غمخوار ہوں تیرا
تو چاہے نہ چاہے مجھے کچھ کام نہیں ہی
آزاد ہوں اس سے بھی گرفتار ہوں تیرا
تو ہووے جہاں مجھ کو بھی ہونا وہیں لازم
تو گل ہے مری جان تو میں خار ہوں تیرا
ہی عشق سے میرے ہی ترے حسن کا شہرہ
میں کچھ نہیں پر گرمی بازار ہوں تیرا
میری بھی طرف تو کبھی آ جا مرے یوسف
بوڑھیا کی طرح میں بھی خریدار ہوں تیرا

ای درد تجھے کچھ نہیں اب اور تو آزار
اُس چشم سے کہدینا کہ بیمار ہوں تیرا

تو کب تئیں مجھ ساتھ مری جان ملے گا
ایسا بھی کبھو ہوگا کہ پھر آن ملے گا
چلیے کہیں اُس جا پہ کہ ہم تم ہوں اکیلے
گو نالہ نہ ملے گا کوئی میدان ملے گا
شیوہ نہیں اپنا تو عبث ہرزہ یہ بکنا
کچھ بات کہیں گے جو کوئی کان ملے گا
رو بیٹھے گا میری ہی طرح دین کو اپنے
کافر جو ترے ساتھ مسلمان ملے گا
نزدیک ہی پر اپنے بلانے سے کب آوے
مل جاے گا تو دور سے پہچان ملے گا
یوں وعدے ترے دل کی تسلّی نہیں کرتے
تسکین تبھی ہووے گی تو جس آن ملے گا

ای درد کہا میں نے ملو جس سے کہ چاہو
کہنے لگا تجھ سا کوئی انسان ملے گا

سحر ہوتے ہی اُٹھ کر وہ جو گھر سے باہر آ نکلا
اُدھر ہی اتفاقاً پھرتے پھرتے میں بھی جا نکلا

مرے دل کو جو تو ہر دم بھلا اتنا ٹٹولے ہے
تصور کے سوا تیرے، بتا تو اس میں کیا نکلا

بیاں اپنا حال کہ سارا جو پوچھا وعدہ آنے کا
کہا سن سن کے سب باتوں کو آخر مدعا نکلا

مری تعریف کی تھی اس سے بعضوں نے سو وہ سن کر
لگا کہنے جو سنتے تھے وہ اپنا آشنا نکلا

ملے ہے درد اُس کے ساتھ تو دیکھا غریبی سے
گھمنڈ اُس کے جو تھا جی میں سو اب تنہا گیا نکلا

ترے کہنے سے میں از بسکہ باہر ہو نہیں سکتا
ارادہ صبر کا کرتا تو ہوں پر ہو نہیں سکتا

کہا جب میں ترا بوسہ تو جیسے قند ہے پیارے
لگا تب کہنے پر قندِ مکرر ہو نہیں سکتا

دلِ آوارہ اُلجھے یاں کسو کی زلف سے یارب
علاج آوارگی کا اس سے بہتر ہو نہیں سکتا

مری بے صبریوں کی بات سن سب سے وہ کہتا ہے
تحمل مجھ سے بھی تو حال سن کر ہو نہیں سکتا

کرے کیا فائدہ ناچیز کو تقلید اچھوں کی
کہ جم جانے سے پچھا اولا تو گوہر ہو نہیں سکتا

نہیں چلتا ہے کچھ اپنا تو تیرے عشق کے آگے
ہمارے دل پہ کوئی اور تو ڈر ہو نہیں سکتا

ق

کہا میں یوں تو مل جاتے ہو آ کر بعد مدت کے
اگر چاہو تو یہ کیا تم سے اکثر ہو نہیں سکتا

لگا کہنے سمجھ اس بات کو ٹک تو کہ جلد اتنا
ترے گھر آنے جانے میں مرا گھر ہو نہیں سکتا

بچوں کس طرح میں اے درد اس کی تیغ ابرو سے
کہ جس کے سامنے آ کوئی جاں بر ہو نہیں سکتا

جب تلک ہے دل کے شیشے میں رنگ امتیاز کا
ہے اے پری تجھی تئیں آئینہ ناز کا

جس کے جناب سے یہ سبھی ناز ہیں نیاز
دامن ہے ہاتھ میں مرے اُس بے نیاز کا

ہے کوتہی اجل کی طرف سے ہی ورنہ میں
اک عمر سے اسیر ہوں زلفِ دراز کا

ای درد اس جہان میں آکر صدائے غیب
بے پردہ ہووے جس سے وہ پردہ ہی سازکا

گل و گلزار خوش نہیں آتا
ای جنوں جیب میں ترے ہاتھوں
کیا جفا کے سوا بجھے کچھ اور

باغ بے یار خوش نہیں آتا
ایک بھی تار خوش نہیں آتا
ای ستمگار خوش نہیں آتا

درد ہم کو یہ رات دن تیرا
نالۂ زار خوش نہیں آتا

بھرا مے سے نہیں یہ نور سے معمور ہی شیشا
شتابی میکدہ میں آ کہیں تجھ بن کہ ای ساقی
بغل میں اپنی بیٹھا ہی لیئے یہ دختر رز کو

تجلّی پر نظر کر اُس کی کوہ طور ہی شیشا
پڑا ہی جام نے کیفیت و مخمور ہی شیشا
نہ پوچھو اُس کو مینا۔ دانۂ انگور ہی شیشا

بچا یا محتسب کے ہاتھ سے ای درد میں لیکن
مرے دل کی طرح میری بغل میں چور ہی شیشا

ای شانہ تو نہ ہو، جو۔ دشمن ہمارے جی کا
پھیلا ہی کفر یاں تک کا فر ترے سبب سے
گذرا تھا بعد مدت وہ سامنے سے ہوکر
جوں شمع تو نے جیدھر نظریں اٹھا کے دیکھا

کہیں دیکھیو نہ ہووے زلفوں کا بال بیکا
شمع حرم بھی دے ہی ماتھے پہ اپنے ٹیکا
ای کوتہی نالہ یہ وقت تھا گئی کا
پروانہ وار۔ جی ہی جاتا رہا گئی کا

تو بھی نہ اگر ملا کرے گا
اپنی آنکھوں اُسے میں دیکھوں

عاشق، پھر جی کے کیا کرے گا
ایسا بھی کبھو خدا کرے گا

اگر ہیں یہی ڈھنگ تیرے ظالم
دیکھیں گے کوئی وفا کرے گا

اہلِ زمانہ آگے بھی تھے اور زمانہ تھا
پر اب جو کچھ ہے یہ تو کسو نے سنا نہ تھا

چٹکا عبث نہیں کوئی غنچہ چمن میں۔آہ!
ای توسنِ بہار تجھے تازیانہ تھا

باور نہیں ابھی تجھے غافل یہ عنقریب
معلوم ہووے گا کہ یہ عالم فسانہ تھا

حال یہ کچھ تو ہے اب دل کی توانائی کا
کہ یہ طاقت نہیں لوں نام شکیبائی کا

ای شبِ ہجر نہیں ہے یہ سیاہی تیری
خون گردن پہ ترے ہے کسی سودائی کا

نام سنتا نہیں زاہد تری حرمت کا کوئی
شور ایسا ہے جہاں میں مری رسوائی کا

کہاں کا ساقی اور مینا کدھر کا جام و پیمانا
مثالِ زندگی بھر لے اب اپنا آپ ہی پیمانا

کسو سے کیا بیاں کیجے اس اپنے حال ابتر کو
دل اُس کے ہاتھ دے بیٹھے جسے جانا نہ پہچانا

نظر جب دل پہ کی دیکھا تو مسجودِ خلایق ہے
کوئی کعبہ سمجھتا ہے کوئی سمجھے ہے بُت خانا

ای شمع رو دبسکہ ترا انتظار تھا
میں ایک سا ہی شعلہ صفت بے قرار تھا

ظالم یہ صید دل سرِ فتراک سے ترے
اس وقت سے بندھا ہے کہ تو نے سوار تھا

مدت کے بعد خط سے یہ ظاہر ہوا کہ عشق
تیری طرف سے حُسن کے دل میں غبار تھا

وہ دن کدھر گئے کہ ہمیں بھی فراغ تھا
یعنی کبھو تو اپنے بھی دل کا دماغ تھا

جلتا ہے اب پڑا خس و خاشاک میں ملا
وہ گل کہ ایک عمر چمن کا چراغ تھا

گذرو ہوں جس خرابے پہ کہتے ہیں واں کے لوگ
ہے کوئی دن کی بات یہ گھر تھا یہ باغ تھا

رباعیات

کچھ کشش نے تری اثر نہ کیا
تشنگی اور بھی بھڑک گئی
تجھ کو ای انتظار دیکھ لیا
جوں جوں میں اپنے آنسوؤں کو پیا

زلفوں میں کسو کی جو گرفتار نہ ہوتا
مرنا ہی لکھا ہے مری قسمت میں عزیزاں
کچھ کام مجھے تجھ سے نسبت تا نہ ہوتا
گر زندگی ہوتی تو یہ آزار نہ ہوتا

ایک تو ہوں شکستہ دل تس پہ یہ جور یہ جفا
جان کے بدلے میرے ساتھ وعدہ اک نگاہ تھا
سختی عشق واہ وا! جی نہ ہوا ستم ہوا
سو بھی نہ تجھ سے ہو سکا مفت ہی جی لیا

جلوہ تو ہر اک طرح کا ہر شان میں دیکھا
جوں غنچہ بجز اک دل صد چاک نہ پایا
جو کچھ کہ سنا تجھ میں سو انسان میں دیکھا
منہ ڈال کے جب اپنے گریبان میں دیکھا

ناصح ہیں دین و دل کے تئیں اب تو کھو چکا
زاہد کیا کرے ہے وضو گو کہ روز و شب
حاصل نصیحتوں سے جو ہونا تھا ہو چکا
چاہے کہ دل سے دھوئے کدورت سو دھو چکا

مذکور جانے بھی دو وہم دل تپیدگاں کا
موج نسیم کو ہے زنجیر بوئے گل کی
احوال کچھ نہ پوچھو آفت رسیدگاں کا
دامن نہ چھو سکے پر از خود رمیدگاں کا

افراد

دیکھ کر حال پریشاں عاشق ناشاد کا
یاں کے معشوقوں سے رسم زلف اب ہی اٹھا

محبت نے ہم کو ثمر جو دیا
سو یہ ہے کہ سب کام سے کھو دیا

شکوہ تجھے کس سے ہے گلہ کس سے یہ ٹھانا
مانند فلک اپنی ہی گردش ہے زمانہ

ہم نے چاہا بھی پر اس کوچہ سے آیا نہ گیا
واں سے جوں نقش قدم دل کو اٹھایا نہ گیا

فلک پر کون کہتا ہے گزر آہِ سحر کرنا
جہاں جی چاہے اس پر جا کسی دل میں اثر کرنا

غل مری زنجیر نے رفتار میں ایسا کیا
حشر کو بھی شور جو ہونا تھا برپا کیا

بیوپار خلق کرتی ہے اپنے کمال کا
یہ آئینہ ہے جلوہ فروش اس جمال کا

خط کے آنے سے ہوا معلوم جانا حسن کا
تو خطوں نے اب نکالا پیش خانہ حسن کا

مخالف کٹ گئے سنتے ہی مجلس میں سخن میرا
زباں کا اب ہوا معلوم جوہر تیغ ہے گویا

بارے مجھے بتا تو ہی کیا سبب ہوا
پھر مجھ پہ مہرباں ہوا تو غضب ہوا

گلہ کرتا نہیں کچھ میں تری نامہربانی کا
مجھے شکوہ ہے ای ظالم اپنی سخت جانی کا

رسوائیاں اٹھائیں جور و عتاب دیکھا
عاشق تو ہم ہوئے پر کیا کیا عذاب دیکھا

آشیانے میں دہد بلبل کے
آتشِ گل سے آج پھول پڑا

ردیف (ب)

تھا عدم میں بھی مجھے اک پیچ و تاب
مضطرب ہوں جس طرح موجِ سراب

نے بضاعت ہیں سب اہلِ رزق برق
چشمۂ خورشید میں کیدھر ہے آب

موت ہے آسایشِ افتادگاں
چشمِ نقشِ پا کو بٹ جاتا ہے خواب

کیوں نہ ہو شرمندۂ روئے زمیں
سیلِ اشک ایسا نہیں خانہ خراب

ہی تنک ظرفوں کو بیجا مے کشی
چل نہ جاویں ہیں جو صاحب حوصلہ
ہنستے ہیں کوئی کبھو دل مردگاں

جام مے کب ہو سکے جام حباب
پاے خم لغزش میں کب لاوے شراب
گور کے لب پر تبسم کیا حساب

مے کشاں کرنے لگے محنت کشی
درد ہوتا ہی دلِ یاراں کباب

ردیف (ت)

وہ مو کمر کہیں تو ہوا ہے حجاب ات
ہم روسیاہ دن کو تو کیا منہ دکھا سکیں
تیری گلی میں ای بتِ بے مہر دن کی طرح
واں تم تو اپنے خوش ہے ہو گئے پہ کیا کہوں
تو شام سے جو ای مرے خورشید رو گیا

تھا مثل زلف دل کو عجب پیچ و تاب رات
چوں شمع چاہتے ہیں کہ ہووے شتاب رات
لایا تھا پھر مجھے دلِ خانہ خراب رات
گزرا ہی میرے جی پہ جو کچھ یاں عذاب رات
انجم کی طرح آیا نہ آنکھوں میں خواب رات

میرے گناہ آتے ہیں کوئی شمار میں
ای درد میں نے جی میں کیا تھا حساب رات

زاہد اگر نہیں کی تو نے کسو سے بیعت
زلفِ بتاں سے کہنا ہی وقت دستگیری
گو کھینچ کھینچ چلے جان اپنی شیخ کھو دے

پیر مغاں کہاں کر دست سبو سے بیعت
اس سلسلہ میں کی ہی دل نے کسو سے بیعت
کوئی زندہ دل کرے ہی اس او و تو سے بیعت

ردیف چ

جانیے کس واسطے ای درد میخانے کے بیچ
اور ہی مستی ہی اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

آئینہ کی طرح غافل کھول چھاتی کے کواڑ
دیکھ تو ہی کون بارے تیرے کاشانے کے بیچ

سیر باغ و بوستاں تو ہی میسر ہر گھڑی
آئیے گاہے فقیروں کے بھی کاشانے کے بیچ

جو مرے ہیں مر گئے ہیں سو ہم سے پوچھا چاہیے
کون جانے آہ کیا لذت ہی مر جانے کے بیچ

عقدۂ دل کھول مثلِ قطرۂ ناداں کب تلک
جوں گہر غلطاں رہے گا آب و دانے کے بیچ

پیچ و تاب اتنا جو ہی یاں اس دلِ صد چاک کو
زلف الجھی ہی کسو کی ظاہرا شانے کے بیچ

بخت خواب آلود نے میرے سلایا اس کو درد
ورنہ پھونکا تھا ہی افسوں میں نے افسانے کے بیچ

ذکر جب چلے ہی مرا انجمن کے بیچ
کچھ آپ ہی آپ سوچ وہ رہتا ہی من کے بیچ

اے بے خبر تو آپ سے غافل نہ بیٹھ رہ
جوں شعلہ یاں سفر ہی ہمیشہ وطن کے بیچ

تجھ کو نہیں ہی دیدۂ بینا وگرنہ یاں
یوسف چھپا ہی آن کے ہر پیرہن کے بیچ

سودا اگرچہ درد تو خاموش ہی ولے
جوں غنچہ سو زبان ہیں اس کے دہن کے بیچ

درد جو آتا نہیں اب تو نظر ظاہر کے بیچ
چھپ رہا ہوگا کسو کے گوشۂ خاطر کے بیچ

ردیف (ر)

کیونکر میں خاک ڈالوں سوزِ دلِ تپاں پر
مانند شمع میرا کب حکم ہی زباں پر

میں کس طرح بتوں کے آ سامنے جھکا دوں
دل تو دماغ اپنا کھینچے ہی آسماں پر

کب اختیار اپنا جوں گل ہی اس چمن میں
گلچیں سے کیا چلے ہی نے زور باغباں پر

چاہے ہے کہ بات جی کی منہ پر نہ میرے آوے
اپنے دہن کو لاکر رکھدے مرے دہاں پر

میں جانتا نہیں ہوں بیٹھے بٹھائے یارب
تارِ نگہ پہ دل یاں دونوں طرف سے دوڑے
یوں آپڑی کہاں سے آفت یہ میری جاں پہ
دو نٹ مقابل آویں جس طرح ریسماں پہ

ای درؔد یار جیسا ہووے سو ہی غنیمت
اتنا بھی جی نہ رکھیے ہر وقت امتحاں پر

ساقی ہی چڑھا آج تو یہ رنگ گھٹا پر
ہی اور ہی جلوے کی غرض بوقلمونی
گھبرا کے دل تنگ جو کوئی سانس نکالے
جوں کاغذ باد اہلِ ہوس بیچ میں ہیں گے
مانندِ جہاں آہ تنگ ظرف جہاں کے
شیشہ ہو گرے پھینکیے گر سنگ ہوا پر
یہ قوس قزح کا نہیں نیرنگ ہوا پر
اک دم میں ہو عرصہ تو ابھی تنگ ہوا پر
رہتی ہی سدا ان کے تئیں جنگ ہوا پر
یاں کرتے ہیں سر کھینچنے کے ڈھنگ ہوا پر

ہر دم دلِ بیتاب مرا درد کرے ہی
جوں نغمہ نکل آئے گا آہنگ ہوا پر

اس قدر تھا یا کرم یا ظلم رانی اس قدر
جان کو آتے دے لب تک نزع میں کب تک ہوں
کیا کہوں دل کا کسو سے قصۂ آوارگی
مہربانی اس قدر نامہربانی اس قدر
دشمنی مجھ سے نہ کر ای ناتوانی اس قدر
کوئی بھی بے ربط ہوتی ہی کہانی اس قدر

درؔد تو کرتا ہی معنی کے تئیں صورت پذیر
دست رس رکھتے تھے کب بہزاد مانی اس قدر

مشہور خلق میں نہیں اپنے کمال کر
آنکھیں تو آنسوؤں سے کبھی تر ہوئیں نہیں
یکتا ہوں مثل آئنہ اور ہی جمال کر
ٹک تو ہی ای جبین عرق انفعال کر

حیرت ہی یہ کہ تجھ سے ستمگر کے ہاتھ ہیں	آنکھوں نے دل کو کیونکہ دیا دیکھ بھال کر

ای درد کر تا آئنۂ دل کو صاف تو
پھر ہر طرف نظارۂ حسن و جمال کر

فرد

ہنس قبر پہ میری کھل کھلا کر	یہ پھول چڑھا کبھی تو آ کر

ردیف (ز)

کیا ہوا مر گئے آرام ہی دشوار ہنوز	جی میں تڑپے ہی پڑی حسرتِ دیدار ہنوز
ہر لبِ زخم نمک سود ہی گو مثلِ سحر	شکوہ آلود نہیں پر لبِ اظہار ہنوز
کر چکا اپنی سی عیسیٰ بھی تو پر کیا حاصل	ہیں گے ویسے ہی تری چشم کے بیمار ہنوز
موڑیو منہ نہ ابھی سوزنِ مژگاں ہم سے	ٹانکے زخموں میں تو ہیں کتنے ہی درکار ہنوز
ہی خیال اُس کی ہی زلفوں کا دمِ آخر بھی	بندھ رہا ہی مری نظروں میں وہی تار ہنوز
اور تو چھوٹ گئے مر کے بھی ای کنجِ قفس	ایک ہم ہی رہے ہر طرح گرفتار ہنوز

یار جاتا تو رہا نظروں سے کب کا لیکن
دل میں پھرتی ہی مرے درد وہ رفتار ہنوز

لیتا نہیں کبود کی اپنے عناں ہنوز	پھرتا ہی کس تلاش میں یہ آسماں ہنوز
ہی بعدِ مرگ بھی وہی آہ و فغاں ہنوز	لگتی نہیں ہی تالو سے میری زباں ہنوز

موجود پوچھتا نہیں کوئی کسو کے تئیں
توحید تو بھی ہوتی نہیں ہے عیاں ہنوز

سو سو طرح کی ہجر میں کھینچی ہے جاں کنی
مرتا نہیں ہوں تو بھی تو میں سخت جاں ہنوز

ہر چند کہنہ سال ہے دنیا تو کس قدر
آتی ہے پر نظر میں سبھوں کی جواں ہنوز

کعبے میں درد آپ کو لایا ہوں کھینچکر
دل سے گیا نہیں ہے خیالِ بتاں ہنوز

رباعی

کوہ کن سے نہ بول اے پرویز
اس کے تیشہ کی بھی زباں ہے تیز

ساقی اب سب پکارتے ہیں گے
تیرے ہاتھوں سے یاں برینہ برینہ

ہر میں مرے وہ سیمبر آیا نہیں ہنوز
مقصود میرے دل کا بر آیا نہیں ہنوز

ردیف (س)

نہ کیا تو نے ایک بار افسوس
حال پہ میرے صد ہزار افسوس

جو کہ ہونا تھا دل پہ ہو گزرا
نہ کر اے درد بار بار افسوس

(ردیف ط)

کرتا رہا میں دیدۂ گریاں کی احتیاط
پر ہو سکی نہ اشک کے طوفاں کی احتیاط

خارِ مژہ پڑے ہیں مری خاک میں ہلے
اے دشت اپنے کھینچو داماں کی احتیاط

جوشِ جنوں کے ہاتھ سے فصلِ بہار میں
گل سے بھی ہو سکی نہ گریباں کی احتیاط

تیرے ہی دیکھنے کے لیے آئینہ کی طرح
کرتا ہوں اپنے دیدۂ حیراں کی احتیاط

دل کے تئیں گرہ سے کبھو کھولتی نہیں
ہے زلف کو بھی اپنے پریشاں کی احتیاط

داغوں کی اپنے کیوں نہ کرے درد پرورش
ہر باغباں کرے ہے گلستاں کی احتیاط

ردیف (غ)

لایا نہ تھا جو آج تئیں ہاتھ سوے تیغ
وابستہ میرے قتل سے تھی آبروے تیغ

ناچار مجھ سے اس سے تو قطع کلام ہے
کرتا نہیں وہ بات سوا گفتگوے تیغ

کیجے نہ قتل اہل وفا جتنے ہیں یہ سب
بارے کہیں ٹھکانے لگے جستجوے تیغ

جانباز اور بھی ہیں پر ایسا بروانِ یار
میری طرح نہ ٹھہرے کوئی آبروے تیغ

پیاسی مرے لہو کی وہ رہتی ہے دم بدم
بر لائیے کبھو تو میاں آرزوے تیغ

کوئی مزا جداں نہ ہوا آج تک مگر
اک اس کی خوے تند سے ملتی ہے خوے تیغ

اے درد مثل زخم زمانے کے ہاتھ سے
دیکھا نہ آنکھ کھول کے ہم غیر روے تیغ

ردیف (ف)

اے درد ایک خلق ہے جانانہ کی طرف
لازم ہے کھینچیے دلِ دیوانہ کی طرف

ردیف (ک)

پیغامِ یاس بھیج نہ مجھ لے قرار تک
ہوں نیم جان سو بھی ترے انتظار تک

دے وہ شراب ساقی کہ تا روزِ رستخیز
جس کے نشے کا کام نہ پہونچے خمار تک

صبا داب رہائی سے کیا مجھ اسیر کو
پھر کس کو زندگی کی توقع بہار تک

نے قدر می کشی ہوئی عالم میں یاں تئیں
ہے صرفِ شیشہ شیخ کے سنگِ مزار تک

راہِ عدم میں دتر دیں اتنا ہوں جلد رو
پہونچا صبا کا ہاتھ نہ میرے غبار تک

رباعیات

پھرتا رہا میں سعی میں اک عمر جوں فلک
بختِ سیاہ پر نہ پھرے میرے اب تلک
چونکا ہوں درد جب سے اسے دیکھ خواب میں
لگتی نہیں ہے تب سے پلک سے مری پلک

نہیں میرے تئیں کسی کا باک
اب گریباں ہے ہاتھ ہے اور چاک
گرد تو ہو گئے ترے عاشق
کیا ستم ہو زیادہ اس سے خاک

ردیف (دل)

کچھ دل ہی باغ میں نہیں تنہا شکستہ دل
ہر غنچہ دیکھتا ہوں تو ہے گا شکستہ دل

ہاتھوں سے محتسب کے ہیں اب میکدہ کے بیچ
ساغر شکستہ خاطر و مینا شکستہ دل

شادی کی اور غم کی ہی دنیا میں ایک شکل
گل کو شگفتہ دل کہو تم یا شکستہ دل

یارب درست گو نہ رہوں تیرے عہد پر
بندہ سے پر نہ ہو کوئی بندا شکستہ دل

کی جس کی جوں حباب زمانے نے دل دہی
چھوڑا نہ پھر اُسے نہ کیا تا شکستہ دل

لازم ہی گوشۂ شکن زلف میں تری
ظالم کوئی پڑا رہے مجھسا شکستہ دل

سب خون دل ٹپک ہی گیا بوند بوند کر
اے درد بسکہ عشق سے میں تھا شکستہ دل

بارے یہ داغ عشق ہوا شہریار دل
مدت سے نئے چراغ پڑا تھا دیار دل

تیری کہیں گلی کے گیا تھا خیال میں
کرتا ہوں اب تلک میں پڑا انتظار دل

اُٹھتا ہی بعد مرگ بھی مانند گردباد
اے درد خاک سے مری اب تک غبار دل

ردیف (م)

حیران آئینہ وار ہیں ہم
کس سے یارب دوچار ہیں ہم

پانی پہ نقش کب ہی ایسا
جیسے ناپائدار ہیں ہم

ساقی کیدھر ہی کشتی مے
اب کے کھیوے میں پار ہیں ہم

جی بھی پہنچا کبھو نہ اپنا
اتنے زار و نزار ہیں ہم

اوروں کے گو ہیں سرمۂ چشم
اپنے دل کے غبار ہیں ہم

کوئی کیونکر نظر میں لاوے
رشک چشم شرار ہیں ہم

آتش میں ہیں۔ پہ مثل شعلہ
از سر تا پا بہار ہیں ہم

چشمِ عبرت سے دیکھ ایدھر
جیدھر گزرے پھرے اودھر سے
از بس کہ ہیں محوِ لا تعین
مجنوں ہو خواہ کوہ کن ہو
اپنے ملنے سے منع مت کر
یوں تو عاشق بہت ہیں لیکن

نقشِ لوحِ مزار ہیں ہم
آوازۂ کوہسار ہیں ہم
ہر جائے اعتبار ہیں ہم
عاشق کے دوستدار ہیں ہم
اس میں سبے اختیار ہیں ہم
ق
اس طور کے کتنے یار ہیں ہم

مجنوں۔ فرہاد۔ درد۔ وامق
ایسے یہ دو ہی چار ہیں ہم

ابکی ترے در سے گر گئے ہم
جوں نورِ نظر ترا تصوّر
جز اہلِ صفا بتا تو جوں عکس
کس نے یہ ہمیں بھلا دیا ہے
تھا عالم جبر کیا بتائیں
جس طرح ہوا اسی طرح سے

پھر یہ بھی سمجھ کہ مر گئے ہم
تھا پیشِ نظر جدھر گئے ہم
اِس آئنہ کس کے گھر گئے ہم
معلوم نہیں کدھر گئے ہم
ق
کس طور سے زیست کر گئے ہم
پیمانۂ عمر بھر گئے ہم

افسوس کہ درد اس کو جب تک
ہووے ہی خبر گزر گئے ہم

کچھ لاسے نہ تھے کہ کھو گئے ہم
جوں آئینہ جس پہ یاں نظر کی
ماتم کدۂ جہاں میں جوں ابر

تھے آپ ہی ایک سو گئے ہم
ساتھ اپنے دو چار ہو گئے ہم
اپنے تئیں آپ رو گئے ہم

ہستی نے تو ٹک جگا دیا تھا
پھر کھلتے ہی آنکھ سو گئے ہم

یاروں ہی سے درد ہی یہ چرچا
پھر کوئی نہیں ہی جو سگئے ہم

چمن میں صبح یہ کہتی تھی ہو کر چشم تر شبنم
عرق کی بوند اس کی زلف سے رخسار پر ٹپکی
ہمیں تو باغ تجھ بن خانۂ ماتم نظر آیا
کرے ہی کچھ سے کچھ تاثیر صحبت صاف طبعوں کی
بھلا ٹک صبح ہونے دو اسے بھی دیکھ لیویں گے
نہیں اسباب کچھ لازم سبکساروں کے اٹھنے کو
نہ پایا جو گیا اس باغ میں اصلا سراغ اس کا

بہار باغ تو یوں ہی رہی لیکن کدھر شبنم
تعجب کی ہی جاگہ یہ پڑی خورشید پر شبنم
ادھر گل پھاڑتے تھے جیب روتی تھی ادھر شبنم
ہوئی آتش سی گل کے بیٹھتے رشک شرر شبنم
کسی عاشق کے رونے سے نہیں رکھتی خبر شبنم
گئی اڑ دیکھتے اپنے بغیر از بال و پر شبنم
نہ پلٹی پھر صبا ایدھر نہ پھر آئی نظر شبنم

نہ سمجھا درد ہم نے بھید یاں کی شادی و غم کا
سحر خنداں ہی کیوں روتی ہی کس کو یاد کر شبنم

رباعی

کیا کہیں سوئے فنا کس طور کر جاتے ہیں ہم
شمع کے مانند سر کے بل ادھر جاتے ہیں ہم
ہو کسے جوں شعلۂ ظالم آہ تاب انتظار
جب تلک دیکھے ادھر تو یاں گزر جاتے ہیں ہم
خلق میں ہیں پر جدا سب خلق سے رہتے ہیں ہم
تال کی گنتی سے باہر جس طرح روپک میں سم

ردیف (ن)

گلیم بخت سیہ سایہ دار رکھتے ہیں
یہی بساط میں ہم خاکسار رکھتے ہیں

بسانِ کاغذِ آتش زدہ مرے گلرو
تیرے سبب جلے بُجھے اور ہی بہار رکھتے ہیں

کسی نے ہم سے کیا وعدۂ ہم آغوشی
کہ مثلِ بحر سراسر کنار رکھتے ہیں

ہمیشہ فتح نصیبی ہمیں نصیب رہے
جو کچھ کہ اپنے ہی جی میں سو ہار رکھتے ہیں

بلا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ!
سب اہلِ قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں

جہاں کے باغ سے ہم دل سوا نہ پھل پایا
فقط یہی ثمرِ داغدار رکھتے ہیں

اگرچہ دخترِ رز کے ہے محتسب درپے
جو ہو سو ہو پر اسے اب تو یار رکھتے ہیں

برنگِ شعلۂ غمِ عشق ہم سے روشن ہے
کہ بے قراری کو ہم برقرار رکھتے ہیں

ہمارے پاس ہے کیا جو کریں فدا تجھ پر
مگر یہ زندگیِ مستعار رکھتے ہیں

فلک سمجھ تو سہی ہم سے اور گلوگیری
یہ ایک جیب ہے سو تار تار رکھتے ہیں

بتوں کے جبر اُٹھائے ہزار ہا ہم نے
جو اس پہ بھی نہ ملیں اختیار رکھتے ہیں

بھری ہے آکے جنھوں میں ہوائے آزادی
حباب وار کلہ بھی اُتار رکھتے ہیں

نہ برق ہیں نہ شرر ہم نہ شعلہ نے سیماب
وہ کچھ ہیں پر کہ سدا اضطرار رکھتے ہیں

جنھوں کے دل میں جگہ کی ہے نقشِ عبرت نے
سدا نظر میں وہ لوحِ مزار رکھتے ہیں

ہر ایک سنگ میں ہے شوخیِ بتاں پنہاں
خنک ہیں سب پہ دل میں شرار رکھتے ہیں

وہ زندگی کی طرح ایک دم نہیں رہتا
اگرچہ دردؔ اسے ہم ہزار رکھتے ہیں

مژگانِ تر ہوں یا رگِ تاکِ بریدہ ہوں
جو کچھ کہ ہو سو ہوں غرض آفت رسیدہ ہوں

کھینچے ہے دور آپ کو میری فروتنی
افتادہ ہوں پہ سایۂ قدِ کشیدہ ہوں

ہر شام مثلِ شام ہوں میں تیرہ روزگار
ہر صبح مثلِ صبح گریباں دریدہ ہوں

کرتی ہے بوئے گل تو مرے ساتھ اختلاط
پر آہ میں تو موجِ نسیمِ وزیدہ ہوں

چاہیے ہی یہ مری تپشِ دل کہ بعدِ مرگ
کنجِ مزار میں بھی نہ میں آرمیدہ ہوں

ای دردؔ جا چکا ہی مرا کام ضبط سے
ہیں غمزدہ تو قطرۂ اشک چکیدہ ہوں

آہ مشتاق ترے مفت موے جاتے ہیں
اک نظر بھولے سے بھی ہوئے تو جی پاتے ہیں
گو سلامت ہوں بظاہر یہ دل کے خطرات
رات دن گھن کی طرح میرے تئیں کھاتے ہیں
تو بھی ای پا طلب ٹک تو بھلا خواب سے چونک
اپنی ہی نوع سے ہیں وے جو پہونچ جاتے ہیں
ہم سے بیکاروں سے بہتر ہیں یہ اہلِ اشغال
ہر طرح دل کے تئیں اپنے تو بہلاتے ہیں

دردؔ کی طرح وہ ہو جاتے ہیں کچھ اور کے اور
تیرے از خود شدگاں جبکہ بخود آتے ہیں

گر دیکھیے تو مظہرِ آثارِ بقا ہوں
ور سمجھیے جوں عکس نہ مجھے محوِ فنا ہوں
کرتا ہوں پس از مرگ بھی حلِ مشکلِ عالم
نے حس ہوں پہ ناخن کی طرح عقدہ کشا ہوں
ممنون مرے فیض کے سب اہلِ نظر ہیں
جوں نور ہر اک چشم کو دیدار نما ہوں
ہی آسترِ فقر اگر سمجھو تو شاہی
سلطان ہی اگر شاہ تو میں ظلِ ہما ہوں
ہی مظہرِ انوار صفا میری کدورت
ہر چند کہ آہن ہوں پر آئینہ بنا ہوں
احوالِ دو عالم ہی مرے دل پہ ہویدا
سمجھا نہیں تا حال پر اپنے تئیں کیا ہوں
آزاد نہیں قید میں زنجیر کی ہرگز
ہر چند کہ عالم میں ہوں عالم سے جدا ہوں

ہوں قافلہ سالارِ طریقِ قدما دردؔ
چوں نقشِ قدم خلق کو میں راہ نما ہوں

نہ ہم غافل ہی رہتے ہیں نہ کچھ آگاہ ہوتے ہیں
انھیں طرحوں میں ہم ہر دم فنا فی اللہ ہوتے ہیں

تقید گاہِ امکاں میں ہی وہ کچھ بخشش مطلق
کہ ہر واحد کو لاکھوں دام یاں تنخواہ ہوتے ہیں

غرورِ حسن کم ہوتا نہیں کچھ خط کے آنے سے
کہ یہ سب ہو رہے پر بھی سلیماں جاہ ہوتے ہیں

اگر جمعیتِ دل ہی تجھے منظور قانع ہو
کہ اہلِ حرص کے کب کام خاطر خواہ ہوتے ہیں

پر یکھا درد کچھ مت رکھ ترقی اور تنزل کا
کہ اپنے ذہن میں تو یاں گدا بھی شاہ ہوتے ہیں

تو مجھ سے نہ رکھ غبار جی میں
آوے بھی اگر ہزار جی میں

ملنے نہ دیا ہی مجھ سے تو یہ مجھ کو
اب تک ہی وہی پیار جی میں

گل اب تو ملے ہی ہنس کے لیکن
بلبل یہ چبھیں گے خار جی میں

یوں پاس بٹھا جسے تو چاہے
پر جا کہ نہ دیجو یار جی میں

کیا فائدہ درد شور و شر سے
اُپجے ہی جو کچھ سو مار جی میں

ہر چند تیری سمت سوا راہ ہی نہیں
تس پر بھی آہ یاں کوئی آگاہ ہی نہیں

کچھ مرتبہ ہی اور وہ فہمید سے پرے
سمجھے ہیں جس کو یار وہ اللہ ہی نہیں

ہم بھی فلک سے کرتے کسو چیز کی طلب
ڈھونڈھا پر اپنے دل میں تو کچھ چاہ ہی نہیں

انساں کی ذات سے ہی خدائی کے کھیل ہیں
بازی کہاں بساط پہ گر شاہ ہی نہیں

سو رنگ سے ہیں جلوہ نما گو بتانِ خلق
اپنا ترے سوا کوئی دلخواہ ہی نہیں

گر کہتے ہو کہ ہے وہی ہادی ہی مُضِل
تو راہ پر ہیں سب کوئی بے راہ ہی نہیں

اے درد مثل آئینہ ڈھونڈھ اُس کو آپ میں
بیرونِ در تو اپنی قدم گاہ ہی نہیں

ہستی ہی جب تک ہم ہیں اسی اضطراب میں
جوں موج آپ پھنسے ہیں عجب پیچ و تاب میں

نے خانۂ خدا ہی نہ ہی یہ بتوں کا گھر
رہتا ہی کون اس دلِ خانہ خراب میں

آئینۂ عدم ہی میں ہستی ہی جلوہ گر
ہی موج زن تمام یہ دریا سراب میں

غافل جہاں کی دید کو مفتِ نظر سمجھ
پھر دیکھنا نہیں ہی اس عالم کو خواب میں

ہر جز کو کل کے ساتھ ہی معنی ہی اتصال
دریا سے دُر جدا ہی پہ ہی غرقِ آب میں

پیری سے نے ملک تن کو اُجاڑا و گرنہ یاں
تھا بند و بست اور ہی عہدِ شباب میں

میں اور درد مجھ سے خریداریِ بتاں
ہی ایک دل بساط میں سو کس حساب میں

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں
دل ہی نہیں رہا ہی جو کچھ آرزو کریں

مٹ جائیں ایک آن میں کثرت نمائیاں
ہم آئینہ کے سامنے جب آکے ہو کریں

تر دامنی پہ شیخ ہماری نہ جا ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع گو کہ ہم
پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں

ہر چند آئنہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول
مُنہ پھیر لے وہ جس کے مجھے روبرو کریں

نہ گل کو ہی ثبات نہ ہم کو ہی اعتبار
کس بات پر چمن ہوسِ رنگ و بو کریں

ہی اپنی یہ صلاح کہ سب زاہدانِ شہر
اے درد آکے بیعتِ دستِ سبو کریں

یہ زلفِ بتاں کا گرفتار میں ہوں
یہ بیمار چشموں کا بیمار میں ہوں

کدھر بھی پھرتی ہی اے بیکسی تو
تری جنس کا یاں خریدار میں ہوں

ادھر بات کہنا ادھر دیکھ لینا
سمجھتا ہوں سب ایک عیار میں ہوں

اگر مجھ سے ملیے کبھو عیب کیا ہی
کسو پر بلا تیری تیوری چڑھاوے

نہ بد وضع تو ہی نہ بدکار میں ہوں
تری تیغ ابرو کا افگار میں ہوں

سبھی اپنے جینے سے ای درد خوش ہیں
اگر ہوں تو یہ ایک بیزار میں ہوں

اُن نے کیا تھا یاد مجھے بھول کر کہیں
پاتا نہیں ہوں تب سے میں اپنی خبر کہیں

آجاے ایسے جینے سے اپنا تو جی بتنگ
جیتا رہے گا کب تئیں ای خضر مر کہیں

پھرتی رہی تڑپتی ہی عالم میں جا بجا
دیکھا نہ بہری آہ نے روے اثر کہیں

مدت تلک جہان میں ہنستے پھرا کیے
جی میں ہی خوب روئیے اب بیٹھکر کہیں

یوں تو نظر پڑے ہیں تن افگار سیکڑوں
دل ریش کوئی آپ سا دیکھا نہ پر کہیں

ظالم جفا جو چاہے سو کر مجھ پہ تو - ولے
پچھتاوے پھر تو آپ ہی - ایسا نہ کر کہیں

پھرتے ہو سج بنائے تو اپنی جدھر تدھر
لگ جاوے دیکھیو نہ کسو کی نظر کہیں

ق

پوچھا میں درد سے کہ بتا تو ہی نے مجھے
ای خانماں خراب ہی تیرا بھی گھر کہیں

کہنے لگا مکان معین فقیر کو
لازم ہی کیا کہ ایک ہی جاگہ ہو ہر کہیں

درویش ہر کجا کہ شب آمد سراے اوست
تو نے سُنا نہیں ہی یہ مصرع مگر کہیں

اُس کو سکھلائی یہ جفا تو نیں
کیا کیا ای مری وفا تو نیں

نے کسی کو عبث کیا نے کس
قتل کر مجکو کیا لیا تو نیں

حال سُن سن مرا لگا کہنے
میں سُنا کچھ نہ - کیا کہا تو نیں

ہم نہ کہتے تھے ہو جو مت عاشق
پائی دل اپنی کچھ سزا تو نیں

جی تو جی سے ترے رہا ہی ل
منہ لیا موڑ - کیا ہوا - تو نیں

درؔد کوئی بلا ہی شوخ مزاج
اُس کو چھیڑا برا کیا تونیں

سنے زباں ہی یہ وہ زباں جو سن
یاوری دیکھیئے نصیبوں کی
ساقی اس وقت کو غنیمت جان
وہ زخود رفتہ ہوں کہ میرے تئیں
کیا کہوں اپنی میں سیہ بختی
بعد مدّت کے درؔد کل مجھ سے
میری اُس کی جو لڑ گییں آنکھیں

اِس چمن میں کسے مجال سخن
دوست بھی ہوگئے مرے دشمن
پھر نہ میں ہوں نہ تو نہ یہ گلشن
نہ خیالِ سفر نہ یادِ وطن
حالِ دل تجھ پہ ہوسے گا روشن
دل گیا راہ میں وہ غنچہ دہن
ہو گئے آنکھوں ہی میں دو دو بچن

ق

باغِ جہاں کے گل ہیں یا خار ہیں تو ہم ہیں
دریاے معرفت کے دیکھا تو ہم ہیں ساحل
وابستہ ہی ہمیں سے گر جبر ہی و گر قدر
تیرا ہی حسن جگ میں ہر چند موج زن ہی
الفاظِ خلق ہم بن سب مہملات سے تھے

گر یار ہیں تو ہم ہیں اغیار ہیں تو ہم ہیں
گر وار ہیں تو ہم ہیں ور پار ہیں تو ہم ہیں
مجبور ہیں تو ہم ہیں مختار ہیں تو ہم ہیں
تس پر بھی تشنہ کامِ دیدار ہیں تو ہم ہیں
معنی کی طرح ربطِ گفتار ہیں تو ہم ہیں

اوروں سے تو گرانی اک لخت اُٹھ گئی ہی
اے درؔد اپنے دل کے گر بار ہیں تو ہم ہیں

جمع میں افرادِ عالم ایک ہیں
ہووے کب وحدت میں کثرت سے خلل

گل کے سب اوراق بر ہم ایک ہیں
جسم و جاں گو دو ہیں. باہم ایک ہیں

نوعِ انساں کی بزرگی بے شک ایک
دال ہے اس پہ ہی قرآں کا نزول

حضرتِ جبریلِ محرم ایک ہیں
بات کی فہمید میں ہم ایک ہیں

متفق آپس میں ہیں اہلِ شہود
درؔد آنکھیں دیکھ باہم ایک ہیں

نہ ہم کچھ آپ طلب کی تلاش کرتے ہیں
مثالِ عکس جو کوئی کہ پاک طینت ہیں
ہماری اتنی ہی تقصیر ہے کہ اے زاہد
مزاجِ نازک اگر دل سے کچھ مکدر ہو

جو کچھ کہ یاں ہے مقدر معاش کرتے ہیں
جہاں صفا ہے وہیں بود و باش کرتے ہیں
جو کچھ ہے دل میں ترے ہم وہ فاش کرتے ہیں
یہ آئنہ ہم ابھی پاش پاش کرتے ہیں

یہ تیرے شعر ہیں اے درؔد یا کہ نالے ہیں
جو اس طرح سے دلوں کو خراش کرتے ہیں

کام مردوں کے جو ہیں سو وہی کر جاتے ہیں
موت کیا آ کے فقیروں سے تجھے لینا ہے
دید وا دید جو ہو جائے غنیمت سمجھو
آنکھیں اس بزم میں سیکی ہیں جنھوں نے ٹک بھی
نے ہنر دشمنیٔ اہلِ ہنر سے آ کر
ہم کسی راہ سے واقف نہیں جوں نورِ نظر
اے رگِ ابر یہ مژگاں بھی اگر ٹک برسیں
آہ معلوم نہیں ساتھ سے اپنے شب و روز
تا قیامت نہیں ٹلنے کا دلِ عالم سے

جان سے اپنے جو کوئی کہ گزر جاتے ہیں
مرنے سے آگے ہی یہ لوگ تو مر جاتے ہیں
جوں شرر ورنہ ہم اے اہلِ نظر جاتے ہیں
شمع کی طرح گریباں لیے تر جاتے ہیں
منہ پہ چڑھتے تو ہیں پر دل سے اتر جاتے ہیں
رہنما تو ہی تو ہوتا ہے جدھر جاتے ہیں
ایک پل میں کئی تالاب بھر جاتے ہیں
لوگ جاتے ہیں چلے سو یہ کدھر جاتے ہیں
درؔد ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں

اپنی قسمت کے ہاتھوں داغ ہوں میں
ہوں فتادہ برنگِ نقشِ قدم
دونو عالم سے کچھ پرے ہی نظر
میں ہوں گلچینِ گلستانِ خلیل

نفسِ عیسوی چراغ ہوں میں
رفتگاں کا مگر سراغ ہوں میں
آہ کس کا دل و دماغ ہوں میں
آگ میں ہوں پہ باغ باغ ہوں میں

عینِ کثرت میں دید وحدت ہی
قید میں دردؔ با فراغ ہوں میں

مرتا نہیں ہوں کچھ میں اس سخت دل کے ہاتھوں
نالاں نہیں ہی تنہا اس راہ میں جرس تو
ہمت رفیق ہووے تو فقر سلطنت ہی
ای غنچہ تجھ سے آگے جو کچھ کہ تھا گرہ میں

پستا ہوں آپ اپنے کمبخت دل کے ہاتھوں
روتے گئے ہیں کتنے یک لخت دل کے ہاتھوں
آتا ہی ہاتھ یعنی یاں تخت دل کے ہاتھوں
گل یاں لٹا گئے ہیں کل رخت دل کے ہاتھوں

ای دردؔ - آہ پھر پھر آتا ہی ہی جی میں
پستا ہوں آپ اپنے کمبخت دل کے ہاتھوں

جی نہ اٹھوں کہیں پھر میں جو تو مارے دامن
دامنِ دشت ہی پر لالہ و گل سے یارب
ہم کہ دامن سے لگے ہیں نہ کہیں چھوٹ جاویں
تار باندھا ہی مرے اشک نے یاں تک جوں شمع
جب وہ چاہے ہی کہ دامن کو اٹھا کر چلئے
فرش رہ آنکھیں تو کیں میں نے پہ میرے مژگاں
دردؔ تو کون ہی جو گرد پھٹکنے پاوے

جھاڑ مت خاک پہ میرے یہ غبارِ دامن
خونِ عاشق بھی کہیں ہووے بہارِ دامن
ہر گھڑی کھینچ نہ لے رحم کنارِ دامن
ہی وہی تارِ گریباں وہی تارِ دامن
ہنس کے رکھتا مری گردن پہ ہی بارِ دامن
خارِ پا ہوویں کسو کے نہ یہ خارِ دامن
دور دامن ہی ترا صدقے نثارِ دامن

کیوں نہ ڈوبے رہیں یہ دیدۂ تر پانی میں
ہے بنا مثل حباب اپنا تو گھر پانی میں

اشک سے میرے فقط دامن صحرا نہیں تر
کوہ بھی سب ہیں کھڑے تا بہ کمر پانی میں

مردم دیدہ مرے اشک میں یوں رہتے ہیں
کب یہ گزران کرے اور بشر پانی میں

آتش دل مرے جو ساقی نے اسے بھڑکایا
زاہد خشک ہوا خوب ہی تر پانی میں

چشمۂ آب نہ ہو چشمۂ خورشید سے کم
شعلہ رو تو کبھو منہ دیکھے اگر پانی میں

جس طرف جا ہو چلوں یہ وہ سرابستاں ہے
وہم کہتا ہے کہ اب پانوں نہ دھر پانی میں

عالم آب میں جوں آئینہ ڈوبا ہی رہا
تو بھی دامن نہ کیا درد نے تر پانی میں

معلوم نہیں آنکھیں یہ کیوں پھوٹ بہی ہیں
رونے کی طرف کس لیے یہ ٹوٹ بہی ہیں

کشتی کی طرح آنکھیں مری اشک میں یارو
جس تار نگہ سے بندھی تھیں چھوٹ بہی ہیں

ہیں مثل حباب آنکھیں تو رو رو کے بہاؤں
پردہ یہی کہتا ہے سدا جھوٹ بہی ہیں

سرسبز یہ کس جلوہ سے ہوئیں آنکھیں جو اتنا
دریا کی طرح کھیت مرا لوٹ بہی ہیں

اے درد سمجھ سہج نہ ان آنکھوں کا بہنا
چھاتی کی طرح دل کو مرے کوٹ بہی ہیں

گھر تو دونوں پاس ہیں لیکن ملاقاتیں کہاں
آمد و رفت آدمی کی ہے پہ وہ باتیں کہاں

ہم فقیروں کی طرف بھی تو نگاہیں دم بدم
پھینکتے جاتے تھے آپ آگے وہ خیراتیں کہاں

بعد مرنے کے مرے ہوگی مرے لاشے کی قدر
تب کہا کیجے گا لوگوں سے وہ برساتیں کہاں

یوں تو ہے دن رات میرے دل میں اس کا ہی خیال
جن دنوں اپنی بغل میں تھا سو وہ راتیں کہاں

جس طرح سے کھیلتا ہے وہ دلوں کا پانسا
درد آتی ہیں کسی دلبر کو وہ گھاتیں کہاں

مجھے در سے تو اپنے ٹالے ہے یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ہیگا ترے سوا تو اگر ہے ہی یہاں نہیں

پڑی جس طرف کو نگاہ یاں نظر آگیا ہے خدا ہی یاں
یہ ہیں گو کہ آنکھوں کی پتلیاں مرے دل میں جا ہے بتاں نہیں

مرے دل کے شیشے کو بے وفا تو نے ٹکڑے ٹکڑے ہی کر دیا
مرے پاس تو وہی ایک تھا یہ دکانِ شیشہ گراں نہیں

مجھے رات ساری ہی تیرے یاں کٹے کیوں کہ روتے نہ شمع ساں
کہ نہ ہو سکے ہے کچھ اب بیاں یہ وہ بات ہے کہ زباں نہیں

کوئی سمجھے کیونکہ یہ مدعا کہ پہیلی سا ہے یہ ماجرا
کہا میں نے تجھے نہیں چاہ کیا لگا کہنے مجھ سے کہاں نہیں

نہ ملا ہمیں کوئی نکتہ داں تو یہ بیت سناویں بھلا کہاں
نہ ہوا سبھوں پہ وہی عیاں جو کسی سے یاں تو نہاں نہیں

تجھے درد کیونکہ سناؤں میں نہ خدا کسی کو دکھاوے یہ
جو کچھ اپنے جی پہ گزرتی ہے کہوں کیا کہ اس کا بیاں نہیں

دل کو لیجاتی ہیں معشوقوں کی خوش اسلوبیاں
ورنہ ہیں معلوم ہم کو سب اُنھوں کی خوبیاں

صورتوں میں خوب ہیں گی شیخ گو حور بہشت
پر کہاں یہ شوخیاں یہ طور یہ محبوبیاں

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

آپ تو ڈوبے ہیں۔ پر اس کا بھی کیا خانہ خراب
درد اپنے ساتھ آنکھیں دل کو بھی لے ڈوبیاں

نزع میں تو ہوں ولے تیرا گلہ کرتا نہیں
دل میں ہے وہ ہی وفا پر جی وفا کرتا نہیں

سعی بیجا مت کرو مہر و وفا وہ شوخ تو
جی کو ان باتوں سے ہرگز آشنا کرتا نہیں

کونسی شب ہے کہ مثل شمع جب کھلتی ہے آنکھ
جاے اشک آنکھوں سے اپنی خوں گرا کرتا نہیں

عشوہ و ناز و کرشمہ ہیں سبھی جاں بخش لیک
درد مرتا ہے کوئی اس کی دوا کرتا نہیں

پڑے جوں سایہ ہم تجھ بن ادھر اودھر بھٹکتے ہیں
بتا وہ کون ہی جو تیری مجلس میں نہیں ہوتا
نہیں معلوم کیا ہوگا یہ دل اُس لف میں اُلجھا

جہاں جائیں قدم رکھیں تو پہلے سر پٹکتے ہیں
مگر یہ ایک ہم ہی ہیں کہ نظروں میں کھٹکتے ہیں
جہاں ای درد ایسے تو ہزاروں ہی لٹکتے ہیں

آہ پردہ تو کوئی مانع دیدار نہیں
ہم سے دل مردہ اگر رات کو جاگے تو کیا

اپنی غفلت کے سوا کچھ در و دیوار نہیں
چشم بیدار تو ہی پر دلِ بیدار نہیں

دردیاں دو ہی پیالوں پہ قناعت کیجے
خانۂ چشم ہی یہ خانۂ خمار نہیں

ای ہجر کوئی شب نہیں جس کو سحر نہیں
دل لے گیا پر ایک نہ کی اس طرف نگاہ

پر صبح ہوتی آج تو آتی نظر نہیں
ایسا تو دلبروں میں کوئی مفت بر نہیں

کہ کونسا ہی دامنِ صحرا جہان میں
ای درد آنسوؤں سے جو تیرے وہ تر نہیں

مرے ہاتھوں کے ہاتھوں ای عزیزاں
کھلا ہی بابِ عرفاں جس کے اوپر
صبا جاتا ہوں گریاں میں چمن سے

گریباں چاک ہی چاکِ گریباں
اُسے ہی ہر ورق گل کا گلستاں
گلوں کو باغ میں رکھیو تو خنداں

گرچہ ہم مردہ دل ای جانِ جہاں جیتے ہیں
زندگی جس سے عبارت ہی سو وہ زیست کہاں
بعد مرنے کے بھی وہ بات نہیں آتی نظر

تجھ بن ای وائے جو سمجھیں تو کہاں جیتے ہیں
یوں تو کہنے کے لیے کہیے کہ ہاں جیتے ہیں
جس توقع پہ کہ ہم اپ تئیں یاں جیتے ہیں

دل تو سمجھائے سمجھتا بھی نہیں
کہیئے سودائی۔ تو سودا بھی نہیں

اُس کی باتیں مجھ سے کیا پوچھو ہو تم
مدتیں گزریں کہ دیکھا بھی نہیں

داد کو تو پہونچنا معلوم ہے
کوئی یاں فریاد سنتا بھی نہیں

یوں تو سب باتیں نصیحت کی کہیں
پر اثر ہوتا ہے دل کے تیں کہیں

جس کے بن دیکھے نہ نیند آتی ہیں
خواب میں بھی دیکھتے اُس کو نہیں

صورتیں کیا کیا ملی ہیں خاک میں
ہے دفینہ حسن کا زیر زمیں

رُباعیات

آگے ہی بن سُنے تو کہے ہے نہیں نہیں
تجھ سے ابھی تو ہم نے وہ باتیں کہیں نہیں

ہیں معنیٔ بلند مرے عرش سے پرے
مت کہہ کہ بات درد کی کرسی نشیں نہیں

دو نگاہیں جو چار ہوتی ہیں
برچھیاں دل کے پار ہوتی ہیں

بے وفائی پہ اُس کے دل مت جا
ایسی باتیں ہزار ہوتی ہیں

اگر میں سنگت رسی سے ترا یہاں پاؤں
کمر کو چاہوں تو اُس کے تئیں کہاں پاؤں

یہ رات شمع سے کہتا تھا درد پروانہ
کہ حال دل کہوں گر جان کی اماں پاؤں

دل میں رہتے ہو پہ آنکھوں دیکھنا مقدور نئیں
گھر سے دروازے تلک آؤ تو چنداں دور نئیں

چاہیے دو نو جہاں جل جاویں اک شعلہ کے ساتھ
درد ایسی سرد آہیں عشق میں منظور نئیں

زلفوں میں تو سدا سے یہ کج ادائیاں ہیں
آنکھوں نے پر اب یہ ہی آنکھیں دکھائیاں ہیں

ہے اپنے جی میں جو کچھ تم جانو یا نہ جانو
پر سب تمہاری باتیں اب ہم نے پائیاں ہیں

سیر کر دنیا کی غافل زندگانی پھر کہاں
زندگی گر کچھ رہی تو نوجوانی پھر کہاں

دیکھ میرے ضعف کو کہنے لگا رو کر طبیب
کوئی دم کو یہ بھی اس کی ناتوانی پھر کہاں

کب دہن میں ترے سماے سخن
نہیں تیرے دہن میں جاے سخن

شعر میں میرے دیکھنا مجکو
ہے مرا آئنہ صفاے سخن

کہیں ہوے ہیں سوال و جواب آنکھوں میں
یہ نرے سبب نہیں ہم سے حجاب آنکھوں میں

کرے ہے مست نگاہوں میں ایک عالم کو
لیے پھرے ہے یہ ساقی شراب آنکھوں میں

ہر دم بتوں کی صورت رکھتا ہے دل نظر میں
ہوتی ہے بت پرستی اب تو خدا کے گھر میں

ایسا ہی غم نے تیرے پامال کر دیا ہے
کچھ دل رہا نہ دل میں نہ کچھ جگر جگر میں

اس ذکر سے بھی مجھ کو کیا کام دل کے ہاتھوں
لیتا نہیں کسو کا میں نام دل کے ہاتھوں

نہیں ہم کو تمنا یہ ملک ہو تا فلک پہونچیں
یہی ہے آرزو دل کی ترے قدموں تلک پہنچیں

نزع میں ہوں پہ وہی نالے کیے جاتا ہوں
مرتے مرتے بھی ترے غم کو لیے جاتا ہوں

افسوس اہل دید کو گلشن میں جا نہیں
نرگس کی گو کہ آنکھیں ہیں پر سوجھتا نہیں

شیخ میں رشک نے گناہی ہوں
مورد رحمت الہی ہوں

ردیف (و)

مانع نہیں ہم وہ بت خود کام کہیں ہو
پر اس دل بیتاب کو آرام کہیں ہو

خورشید کے مانند پھرو دن کب تئیں یارب
میخانۂ عالم ہی وہ شے ربط کہ جس میں
وعدے تو مرے ساتھ کیے تو نے ہزاروں

نت صبح کہیں ہووے تجھے شام کہیں ہو
ہووے جو صراحی کہیں تو جام کہیں ہو
پر ایک بھی اتنوں میں سرانجام کہیں ہو

ہر چند نہیں صبر تجھے درد ولیکن
اتنا بھی نہ ملیو کہ وہ بدنام کہیں ہو

کیا فرق داغ و گل میں- اگر گل میں بو نہ ہو
ہووے نہ حول و قوت اگر تیرے درمیاں
جو کچھ کہ ہم نے کی ہی تمنّا ملی مگر
جوں شمع جمع ہوویں گر اہلِ زباں ہزار
جوں صبحِ چاک سینۂ مرا ای رفو گراں

کس کام کا وہ دل ہی کہ جس دل میں تو نہ ہو
جو ہم سے ہو سکے ہی سو ہم سے کبھو نہ ہو
یہ آرزو رہی ہی کہ کچھ آرزو نہ ہو
آپس میں چاہیے کہ کبھی گفتگو نہ ہو
یاں تو کسو کے ہاتھ سے ہرگز رفو نہ ہو

ای درد زنگ صورت اگر اس میں جا کرے
اہلِ صفا میں آئنہ دل کو رو نہ ہو

سمجھنا فہم گر کچھ ہی طبیعی سے الٰہی کو
نہیں ممکن کہ ہم سے ظلمتِ امکان زائل ہو
عجب عالم ہی ایدھر سے ہمیں ہستی ستاتی ہی
نہ رہ جاوے کہیں تو زاہدا محروم رحمت سے

شہادت غیب کے چاہو تو حاضر ہی گواہی کو
چھڑا دے آہ کوئی کیونکہ زنگی سے سیاہی کو
ادھر سے نیستی آتی ہی دوڑی عذر خواہی کو
گنہگاروں میں سمجھا کریو اپنے گناہی کو

نہ لازم نیستی اس کو نہ ہستی ہی ضروری ہی
بیاں کیا کیجیے ای درد ممکن کی تباہی کو

مجلس میں رہوے نہ شمع و چراغ کو
لاویں اگر ہم اپنے دلِ داغ داغ کو

جاتی تو ہی تو زلف کے کوچہ کو ای صبا
پر دیکھیو جو چھیڑے کسی بے دماغ کو

بس بارِ دل زیادہ نہ ہو حسرتِ چمن
کیدھر لیے پھرونگا میں گلگشتِ باغ کو

بلبل کی طرح رشتۂ الفت میں دیکھ دل
بندھوا نہ دیجیو کہیں بالِ فراغ کو

کیا چھپ رہی ہی پردۂ مینا میں دختِ رز
روشن کرا نے جلوہ سے چشمِ ایاغ کو

تمیز بے تمیزی عالم کرے ہی کب
نالے سے عندلیب کے یاں بانگِ زاغ کو

ای درد رفتہ رفتہ کیا آپ کو ہی گم
اس راہ میں چلا تھا میں کس کے سراغ کو

مست ہوں پیر مغاں کیا مجھ کو فرماتا ہی تو
پاے بوس خم کروں یا دست بوسیِ سبو

صبح اور خورشید کے مانند میری جیب کو
چاک کا موجب ہی تو ہی - تو ہی اسبابِ رفو

تال دیتا اس کو نت ہر طرح جوں قبلہ نما
پھر مجھے ہر پھر کے آ رہنا اسی کے روبرو

اور افزونی طلب کی بعد مرنے کے ہوئی
خاک ہونے نے کیا ہر ذرّہ گرمِ جستجو

تیری خوں آشامیاں مشہور ہیں ای تیغِ ناز
ایک قطرہ چھوڑے تو پیوے ہمارا ہی لہو

جس طرح سے صبح کو ہوتا ہی بے رونق چراغ
دیکھ تجھ کو اڑ گیا گلشن میں گل کا رنگ و بو

اور ہوں آمادۂ بیخوارگی یہ مے پرست
سر اگر کاٹے انھوں کے محتسب مثل کدو

بات اہلِ دید سے کرتے ہیں یاں روشن ضمیر
نت زبانِ شمع کو ہی چشم ہی سے گفتگو

صورتِ تقلید میں کب معنی تحقیق ہیں
رنگ گو ہی پر گلِ تصویر میں کیدھر ہی بو

سیکڑوں ہی تخم سے اس باغ میں نکلے نہال
تخمِ دل کی پر نہ آئی درد لیکن آرزو

لاؤں کس کی آنکھوں سے کہو اس چشمِ حیراں کو
عیاں جب ہر جگہ دیکھوں کسی کے رازِ پنہاں کو

تجھے ای شمع کیا دیکھیں زمانہ تو دکھاتا ہی
ہمیں جوں کاغذِ آتش زدہ اور ہی چراغاں کو

نہ تنہا کچھ یہی اطفال دشمن ہیں دوانوں کے
بھرے ہی کوہ بھی دیکھا تو یاں پتھروں سے داماں کو

جھمکتے ہیں ستاروں کی طرح سوراخ سینے کے
چھپایا گو کہ جوں خورشید میں داغِ نمایاں کو

نہ واجب ہی کہا جاوے نہ صادق ممتنع اس پہ
کیا تشخیص کچھ ہم نے نہ ہرگز شخصِ امکاں کو

نہ مطلب ہی گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو
الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضیِ الٰہی ہو

نگینے کے سوا کوئی بھی ایسا کام کرتا ہی
کہ ہو نام اور کار روشن اور اپنی روسیاہی ہو

نہیں شکوہ مجھے کچھ بے وفائی کا تری ہرگز
گلہ تب ہو اگر تو نے کسی سے بھی نباہی ہو

رباعیات

ای درد یاں کسو سے نہ دل کو پھنسائیو
لگ چلیو سب سے یوں تو پہ جی مت لگائیو

میں دل کے ساتھ کب تئیں کشتی لڑا کروں
اب اختیار ہاتھ سے جاتا ہی آئیو

اپنے بندہ پہ جو کچھ چاہو سو بیداد کرو
یہ نہ آجاوے کہیں جی میں کہ آزاد کرو

نہ کہیں عیش تمھارا بھی منغص ہووے
دوستاں درد کو مجلس میں نہ تم یاد کرو

کہنا تک اشتیاق تو رفتارِ یار کو
آنکھوں میں کب تلک ہیں رکھوں انتظار کو

ویسا ہی اب تلک ہی وہ دامن تو ای صبا
کیدھر لیے پھرے ہی تو میرے غبار کو

سر رشتۂ نگاہِ تغافل نہ توڑیو
ای ناز اس طرف سے منھ اس کا نہ موڑیو

جاوے درِ قفس سے بہنے بال و پر کہاں
صیاد ذبح کیجو پر اس کو نہ چھوڑیو

دے لے جو کچھ کہ شیشے میں باقی شراب ہو
ساقی ہے تنگ عرصۂ فرصت شتاب ہو

کہتا ہے آئینہ کہ نہیں ہے بعید اگر
دوران کے ہاتھ سے دل آہن بھی آب ہو

کبھو ہم نے نہ پایا مہرباں اے تند خو تجھ کو
نہ دیکھا آنکھ بھر کے ایک دم خورشید رو تجھ کو

تمنائیں مبدل حسرتوں سے ہو گئیں دل میں
رہی تو بھی نہ ملنے کی ہمارے آرزو تجھ کو

دل نالاں کو یاد کرکے صبا
اتنا کہنا جہاں وہ قاتل ہو

نیم بسمل کوئی کسو کو چھوڑ
اس طرح بیٹھتا ہے غافل ہو

میں نہیں کہتا کہیں تم اور مت جایا کرو
بندہ پرور اس طرف کو بھی کبھو آیا کرو

ردیف (ہ)

ہر طرح زمانہ کے ہاتھوں سے ستم دیدہ
گر دل ہوں تو آزردہ خاطر ہوں تو رنجیدہ

ہم گلشن دوراں میں اے خفتگی طالع
سرسبز تو ہیں لیکن جوں سبزۂ خوابیدہ

اے شور قیامت اُٹھ ادھر ہی میں کہتا ہوں
چونکے ہے ابھی یاں سے کوئی دل شوریدہ

اور روسے تو ہنستے ہو نظروں سے ملا نظریں
ایدھر کو نظر کوئی پھینکی بھی تو دزدیدہ

مجھ پر بھی تو یہ عقدہ تو کھول صبا بارے
زلفوں نے کسے بھیجا یہ نامۂ پیچیدہ

بدخواہ بھی عالم کو ہو وے تو ہو لیکن
یارب نہ کسی کے ہوں دشمن بہ دل و دیدہ

کرتا ہے جگہ دل میں جوں ابروے پیوستہ
اے درد یہ تیرا تو ہر مصرع پیچیدہ

رکھتی ہے میرے غنچۂ دل میں وطن گرہ
تجھ سے نہ کھل سکے گی صبا یہ کٹھن گرہ

چشمِ کشادہ کار کسو سے نہیں مجھے
رکھتا ہوں میں بسان گہر جملہ تن گرہ

پہونچے گر اُس طرف کو تری زلف کی شمیم
نافے ہی میں ہو نکہتِ مشکِ ختن گرہ

اپنی اگر گرفتہ دلی ذکر کیجیے
ہو غنچہ وار خاطرِ یک انجمن گرہ

ہر چند سعی میں ہی رہا ناخنِ ہلال
کھلتی ہی پر سپہر کی کوئی کہن گرہ

جب چاہیئے کہ عقدۂ دل تجھ پہ کھولیے
ہوتا ہی آ زباں پہ میری سخن گرہ

تنگی سے تن کے جامہ کی ہوتا ہی دل خفا
ہی جوں حباب جاں پہ یہ پیرہن گرہ

ہر چند کھولی تو نے تو پتھر کے جی سے گانٹھ
شیریں کے دل سے پر نہ کھلی کوہکن گرہ

کیونکر یہ کارِ عشق گرہ در گرہ نہ ہو
یاں دل گرہ کی شکل ہی اور واں دہن گرہ

جیتا کسی کو چھوڑے نہ یہ گانٹھ زہر کی
زلفِ سیہ وہ سانپ ہی جس کا ہی من گرہ

واشد کبھو تو دردؔ کے بھی ساتھ چاہیے
بندِ قبا سے کھول ٹک ای گلبدن گرہ

ربط ہی نازِ بتاں کو تو مری جاں کے ساتھ
جی ہی وابستہ مرا ان کی ہر اک آن کے ساتھ

اپنے ہاتھوں کے بھی میں زور کا دیوانہ ہوں
رات دن کشتی ہی رہتی ہی گریبان کے ساتھ

جو جفا جو ہیں انھیں سنگدلی لازم ہی
کام تلوار کو رہتا ہی سدا سان کے ساتھ

گر مسیحا نفسی ہی یہی مطرب، تو خیر
جی ہی جاتے ہیں چلے تیری ہر اک تان کے ساتھ

دردؔ ہر چند میں ظاہر میں تو ہوں مورِ ضعیف
زورِ نسبت ہی ولے مجھ کو سلیمان کے ساتھ

کاش تا شمع نہ ہوتا گذرِ پروانہ
تم نے کیا قہر کیا! بال و پرِ پروانہ

شمع کے صدقے تو ہوتے بھی دیکھا تھا اسے
پھر جو دیکھا تو نہ پایا اثرِ پروانہ

گر ترا حسن برشتہ نظر آجاے اُسے — نت رہے آگ میں سوزِ جگرِ پروانہ
کیوں اُسے آتشِ سوزاں میں لیے جاتی ہی — سوجھتا بھی ہی تجھے کچھ نظرِ پروانہ
ایک ہی جست میں لی منزلِ مقصود اُس نے — راہرو رشک کی جا ہی سفرِ پروانہ

شمع تو جل بجھی اور صبح نمودار ہوئی
پوچھوں اے درد میں کس سے خبرِ پروانہ

دل پہ نے اختیار ہو کر آہ — تو ہی کہہ کب تلک نہ اُٹھے کراہ
خوش خرامی ادھر بھی کیجیے گا — میں بھی جوں نقشِ پا ہوں چشم براہ
کیا کہوں تجھ سے ہم نشیں دل میں — برچھی سی لگتی ہی وہ ترچھی نگاہ
جو ہوے ہیں قرار آپس میں — ہیں ترا اور تو ہی میرا گواہ
جس پہ تقصیر وار تم سمجھو — ابھی ایسا تو کچھ نہیں ہی گناہ
ہنسنے اور بولنے کی باتیں کرو — نام اُس کا نہ لو کہاں ہی چاہ
دید وا دید رکھیے جاے گا — جب تلک ہو ملاپ خاطر خواہ
بت پرستی نہیں شعار اپنا — ہم کو ایسا نہ سمجھیو واللہ
شوخ تو اور بھی ہیں دنیا میں — یہ تیری شوخی کچھ عجب ہی واہ
ہر گھڑی کان میں وہ کہتا ہی — کوئی اس بات سے نہ ہو آگاہ

درد اپنی طرف سے حاضر ہی
آگے پھر ہی تمھارے ہاتھ نباہ

جوں جرس دل کے ساتھ ہی ہے آہ — نہیں نالے سوا کوئی ہمراہ
قصۂ زلفِ یار کیا کہیے — ہی دراز اور عمر ہی کوتاہ

درد درویش ہوں مری تعظیم
خلق کرتی ہے کہہ کے یا اللہ

دل سوا کس کو ہوا اس زلفِ گرہ گیر میں راہ
ہے دوانوں کی طرح خانۂ زنجیر میں راہ

ہم سے بے جانوں سے شرمندہ دمِ عیسیٰ ہے
ہو صبا کے تئیں کب غنچۂ تصویر میں راہ

نالۂ دل نے لیے تجھ کو پھرا شہر بہ شہر
آہ پر تو نے نہ کی ٹک دلِ تاثیر میں راہ

بیگانہ گر نظر پڑے تو آشنا کو دیکھ
بندہ گر آوے سامنے تو بھی خدا کو دیکھ

آہن ہو یا ہو سنگ ہے سب جلوہ گاہِ یار
جوں آئینہ ہر ایک گزر میں صفا کو دیکھ

ردیف ی

اُس کی بہارِ حسن کا دل میں ہمارے جوش ہے
فصلِ بہار جس کے ہاں ایک یہ گُل فروش ہے

بختِ سیہ بہ رنگِ شب نت ہی گلیم پوش ہے
شمع بھی اپنے ہاں اگر ہے تو سدا خموش ہے

خلوتِ دل نے کر دیا اپنے حواس میں خلل
حُسن بلائے چشم ہے نغمہ وبالِ گوش ہے

ہووے تو درمیان سے اپنے تئیں اُٹھائیے
بار نہیں ہے اور کچھ سر ہی وبالِ دوش ہے

نالہ و آہ کیجیے خونِ جگر ہی پیجیے
عہدِ شباب کہتے ہیں موسمِ ناؤ نوش ہے

خیر تجھے جو چاہیے بدرقۂ جنوں نہ چھوڑ
ہم نے جہاں کی سیر کی رہزنِ خلق ہوش ہے

بے خبروں کو پھر کہیں دستِ قضا نہ چھیڑ تو
مثلِ دہل ہر ایک یہاں رنہ بھرا خروش ہے

غیرِ ملال نہ ہوا کیا ہے طریقِ زہد میں
دل ہو شگفتہ جس جگہ کوچۂ مے فروش ہے

اپنے تئیں تو کام کچھ خرقہ و جامہ سے نہیں
درد اگر لباس ہے دیدۂ عیب پوش ہے

آفتِ جان و دل تو یاں وہ بتِ خود فروش ہے
پہلے ہی جس کے پیشکش صبر و قرار و ہوش ہے

دل کو سیاہ مست کر کچھ بھی بچے جو ہوش ہے
کہتے ہیں کعبہ اس کو اور کعبہ سیاہ پوش ہے

کس کی یہ ہوتی ہے صبا گفت و شنید باغ میں
غنچے سبھی ہاں ہیں ۔ گل بھی تمام گوش ہے

آتشِ گل جنوں مرا گرم کرے سو یہ نہیں
سینہ ہمیشہ آگ ہے دل میں سدا ہی جوش ہے

حادثۂ زمانہ کیا تیری جفا سو کیا بلا
ہم کو سپہر مت ڈرا نیش بھی یاں تو نوش ہے

ہم نے تو ایک معصیت چاہی چھپے نہ چھپ سکی
اپنے گناہ کو ترا عفو ہی پردہ پوش ہے

آہ کہیں یہ ناتواں حال کرے سو کیا بیاں
منہ پہ ہے مہرِ خامشی دل میں بھرا خروش ہے

دور نہیں ہوا ہمیں رنجِ شبینہ ساقیا
اک دو سہ جام اور بھی باقی ابھی تو ہوش ہے

محنت و رنج و غم سے یاں درد نہ جی چھپائیے
بار بھی اٹھائیے جب تئیں سر ہے دوش ہے

دل مرا پھر دکھا دیا کس نے
سو گیا تھا جگا دیا کس نے

میں کہاں اور خیالِ بوسہ کہاں
منہ سے منہ یوں بھڑا دیا کس نے

وہ مرے چاہنے کو کیا جانے
یہ سندیسا سنا دیا کس نے

ہم بھی کچھ دیکھتے سمجھتے تھے
سب یکایک چھپا دیا کس نے

وہ بلا سے بھاگتا تھا اور
درد تجھ تک بلا دیا کس نے

اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے
لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی
خطرہ جو ہے سو آئنۂ دل پہ زنگ ہے

حیرت زدہ نہیں ہے فقط تو ہی آئنہ
یاں تک بھی جس کی آنکھ کھلی ہے سو دنگ ہے

ان ہستی خراب سے کیا کام تھا ہمیں
اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

گلگیر منہ پسار نہ تو شمع کی طرف
اس کی زبان ہے اُسے کام نہنگ ہے

کب ہے دماغ عشق بتان فرنگ کا
مجھ کو تو آہی ہستی ہی قید فرنگ ہے

عالم سے اختیار کی ہرچند صلح کل
پر اپنے ساتھ مجھ کو شب و روز جنگ ہے

میں کیا کہوں تجھے نظر آتا نہیں ہے کیا
اس گلشن جہان کا جو کچھ کہ ڈھنگ ہے

غنچہ شگفتہ ہووے ہی ہووے کہ اس میں درد
دیکھا چمن میں جاکے تو کچھ اور رنگ ہے

وحدت نے ہر طرف ترے جلوے دکھا دیئے
پردے تعینات کے جو تھے اُٹھا دیئے

ہوں کشتۂ تغافل ہستی سنے ثبات
خاطر سے کون کون نہ اس نے بھلا دیئے

روتی ہیں چشم اپنے یہ تیری داد خواہ
کتنے ہی تیغ ابرو نے قصے چکا دیئے

عنقا کی طرح جتنے تھے یاں نامور فلک
تو نے خدا ہی جانے کہ کیدھر اُڑا دیئے

پگھلا دل اثر نہ مرے حال پر کبھی
ہرچند روتے روتے میں نالے بہا دیئے

یارب یہ کیا خرام ہے جس نے اک آن میں
کتنے ہی مردے حشر سے آگے جلا دیئے

عالم میں سب حقیقۂ پاک گہر تھے سو ایک ایک
اوسے سے روزگار نے یوں ہی بھلا دیئے

صیاد کہتے ہیں کہ گرفتاریاں کئی
صدقے کر اپنے آج کسی نے چھڑا دیئے

زیر مژہ یہ چشم تو کیا ہیں! کہ گھر کے گھر
تو نے برس برس کے ہزاروں بہا دیئے

دونوں جہان کی نہ رہی پھر خبر اُسے
دو پیالے تیری آنکھوں نے جس کو پلا دیئے

اے شور حشر گردش دوراں نے اہل قبر
ٹک بھی نہ سونے پائے کہ وونہیں جگا دیئے

چاہو وفا کرو نہ کرو اختیار ہے
خطرے جو اپنے جی میں تھے وہ سب اُٹھا دیئے

سیلاب اشک گرم نے اعضا مرے تمام
اے درد کچھ بہا دیئے اور کچھ جلا دیئے

گر باغ میں خنداں وہ مرا لب شکر آوے
گل سامنے داماں سے منہ ڈھانپ کر آوے

قاصد سے کہو پھر خبر اودھر ہی کو لے جاوے
یاں بے خبری آگئی جب تک خبر آوے

لوٹے ہی ترے گنج شہیداں کو غریبی
جی دینے کو ظالم کوئی کس بات پر آوے

زاہد کو جتا دیجیو بیخود ہیں یہ رنداں
آنا ہی تو خودداری کو گھر میں ہی دھر آوے

کہتے ہیں کہ یکدست تری تیغ چلی ہے
تب جانیے جب اک وقدم چل ادھر آوے

جوں خواب ہی وابستہ بغفلت یہ تماشا
کھل جاے اگر آنکھ تو پھر کیا نظر آوے

اے صبح رواں تیری مدد ہووے تو شاید
اس بحر میں ہم سے بھی کوئی شعر تر آوے

مطلق بھی نہیں دھیان اضافت سے ہمارا
عہدے سے تقیید کے کوئی کیونکہ بر آوے

اذیت کوئی تیرے غم کی میرے جی سے جاتی ہے
بھڑک دل کیا خالی تو پھر چھاتی بھر آتی ہے

سناؤں کیونکہ اپنا حال میں کیا سخت مشکل ہے
یہ قصہ جب لگوں کہنے تو اس کو نیند آتی ہے

نہیں مشتاق آئینہ کے جو وہ صاف طینت ہیں
صفا تو عارضی ہے اور کدورت اس کی ذاتی ہے

قیامت سر زمین دل پہ میرے حشر برپا ہے
ہوس ہر دم تمنائیں تو یہ یہ کچھ اٹھاتی ہے

اگر آئینہ چار آئینہ پہ ہر ٹے تو نہیں سنبھلے
سپر ہوں تیر مژگاں کا سو یہ میری ہی چھاتی ہے

پر کھانے سے ہی رہتا ہے مجھکو درد کیا کہیے
کہ ایسی زندگی سی چیز یوں ہی مفت جاتی ہے

چھاتی پہ گر پہاڑ بھی ہووے تو ٹل سکے
مشکل ہے جی میں بیٹھے سو جی سے نکل سکے

نشو و نما کی کس کو امید اے بہاریاں
ہیں خشک شاخ ہوں کہ نہ پھولے نہ پھل سکے

تحریک ہے یہ اس ید قدرت کی ورنہ کب
نے دست و پا صبا سے کوئی پات ہل سکے

مثلِ حباب بحر کہ نظر سے گیا گیا
ہیں وہ غریق ہم کہ نہ ڈوبا اُچھل سکے

گرنے نہ دیویں خلق کی نظروں سے دل کو ہم
تو ہی اگر کسو کے سنبھالے سنبھل سکے

روشن ضمیر جتنے ہیں سالم ہیں جوں نجوم
چرخ آسیا سے اپنے یہ دلنے نہ دل سکے

کرتے ہیں بہت شیشہ گراں سنگ سا کو گداز
پگھلائے سے جو تم سے کوئی دل پگھل سکے

کہا نہ تھی غزل کہی اب اس ردیف میں
ای درد قافیہ کو اگر تو بدل سکے

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے

وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے

میں وہ فتادہ ہوں کہ بغیر از فنا مجھے
نقشِ قدم کی طرح نہ کوئی اُٹھا سکے

قاصد نہیں یہ کام ترا اپنی راہ لے
اس کا پیام دل کے سوا کون لا سکے

غافل خدا کی یاد پہ مت بھول زینہار
اپنے تئیں بھلا دے اگر تو بھلا سکے

یا رب یہ کیا طلسم ہے ادراک و فہم یاں
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے

گو بحث کر کے بات بٹھائی پہ کیا حصول
دل سے اُٹھا غلاف اگر تو اُٹھا سکے

اخفائے رازِ عشق نہ ہو آبِ اشک سے
یہ آگ وہ نہیں جسے پانی بجھا سکے

مستِ شرابِ عشق وہ بیخود ہے جس کو حشر
ای درد چاہے لائے بخود پھر نہ لا سکے

قسم ہے حضرتِ دل ہی کے آستانے کی
ہوس ہو جی میں جو دیر و حرم کے جانے کی

طریق اپنے پہ اک دورِ جام چلتا ہے
وگرنہ جو ہے سو گردش میں ہے زمانے کی

کیا جگر کو مرے داغ تیرے وعدوں نے
خبر سنی جو کہیں میں کسو کے آنے کی

نظر نہ کیجیو تو میرے دل کے خطروں پر — نہیں ہیں لائق کچھ بات کیا دلانے کی
جنوں و جور اٹھائے پڑے زمانے کے — ہوس تھی جی میں کسو ناز کے اٹھانے کی

طریق ذکر تو ہی درد یاد عالم کو
طرح بتائے کچھ اپنے تئیں بھلانے کی

کوئی بھی دوا اپنے تئیں راس نہیں ہے — جز وصل سو ملنے کی کہیں آس نہیں ہے
وہ اشک نکلتا ہے مری چشم سے جس کا — ہر قطرہ کم از پارۂ الماس نہیں ہے
زنہار ادھر کھولیو مت چشم حقارت — یہ فقر کی دولت ہے کچھ افلاس نہیں ہے
گزرا ہے بتا کون صبا آج ادھر سے — گلشن میں ترے پھولوں کی یہ باس نہیں ہے

نے فائدہ انفاس کو ضائع نہ کر اے درد
ہر دم دم عیسیٰ ہے تجھے پاس نہیں ہے

یاں عیش کے پردے میں چھپی دل شکنی ہے — ہر بزم طرب چوں مژہ برہم زدنی ہے
دل ٹکڑے کیا ہے یہ ترا کس کے لبوں نے — جو لخت ہے سو رشک عقیق یمنی ہے
کیا کام مجھے خوف و رجا سے کہ مرے پاس — ہے جان سو لے جان ہے دل ہے سو غنی ہے
تن پروری خلق مبارک ہو انھیں یاں — جوں نقش قدم اور ہی آسودہ تنی ہے
آگے جو بلا آئی تھی سو دل پہ ٹلی تھی — اب کے تو مری جان ہی پر آن بنی ہے

اے درد کہوں کس سے بتا راز محبت
عالم میں سخن چینی ہے یا طعنہ زنی ہے

آتش عشق جی جلاتی ہے — یہ بلا جان ہی پہ آتی ہے

تو ہی اور سیر باغ ہی ہر وقت
شام بھی ہو چکی کہیں اب تو
کچھ مناسب نہیں ہی کیا کہیے
تک خبر لے کہ ہر گھڑی ہم کو

داغ ہیں اور سیری چھاتی ہی
اشتابی کہ رات جاتی ہی
جی میں جو کچھ کہ اپنے آتی ہی
اب جدائی بہت ستاتی ہی

درد اس کی بھی دید کر لیجے
نوجوانی یہ مفت جاتی ہی

ہی غلط گر گمان میں کچھ ہی
دل بھی تیرے ہی ڈھنگ سیکھا ہی
لے خبر تیغ یار کہتی ہی
ان دنوں کچھ عجب ہی میرا حال
اور بھی چاہیے، سو کہیے۔ اگر

تجھ سوا بھی جہان میں کچھ ہی
آن میں کچھ ہی آن میں کچھ ہی
باقی اس نیم جان میں کچھ ہی
دیکھتا کچھ ہوں دھیان میں کچھ ہی
دلِ نامہربان میں کچھ ہی

درد تو جو کرے ہی جی کا زیاں
فائدہ اس زیان میں کچھ ہی

آرام سے کبھو بھی نہ یکبار سو گئے
خوابِ عدم سے چونکے تھے ہم تیرے واسطے
اٹھتی نہیں ہی خانۂ زنجیر سے صدا
تیری گلی ہی یا کوئی آرامگاہ ہی

ایسے ہمارے طالع بیدار سو گئے
آخر کو جاگ جاگ کے ناچار سو گئے
دیکھو تو کیا سبھی یہ گرفتار سو گئے
رکھتے قدم کے پانوں تو ہر بار سو گئے

وے مر چکے جو رونق بزمِ جہان تھے
اب اٹھیے درد یاں سے کہ سب یار سو گئے

آج نالوں نے مرے اور ہی دل سوزی کی
زخم دل جتنے تھے یاں سب کی جگر دوزی کی

جی پہ رہتی ہی چڑھی زلف کسو کی میرے
اور تو کیا کہوں یہ اپنی سیہ روزی کی

غیر بکتے ہیں عبث میرے پیارے تیری
بے وفائی نہیں محتاج بدآموزی کی

کیونکہ تشبیہہ ترے ساتھ اُسے دے کوئی
شمع کو آتی نہیں طرح دل افروزی کی

شعر کی فکر بن آتی ہی اُسی سے جس کو
ذہد کی طرح کبھو فکر نہو روزی کی

جوں سخن اب یاد اک عالم رہے
زندگانی تو چلی جا ہم رہے

تا ابد جوں قطرہ مجھسا منفعل
جس جگہ سجدہ کرے وہ نم رہے

بہ چلا آنکھوں سے دل ہو کر گداز
منہ پر آکر جم رہے تو جم رہے

رک نہیں سکتی ہی یاں کی واردات
کب یہ ہو سکتا ہی دریا تھم رہے

ہی زمانہ وہ کہ مثل آسماں
جس کے آگے اہل رفعت خم رہے

ہم ہی اس وحشت سرا سے نئیں اُداس
اور بھی جو آئے سو یاں کم رہے

ہی محال عقل زیرِ آسماں
حرص ہو جس دل میں وہ خرم رہے

کبک آتش کیا کرے یوں قہقہے
جیو ستیوں کے گھر سدا ماتم رہے

رکھ نفخت فیہ من روحی کو یاد
جب تلک ای ذہد دم میں دم رہے

بلبل نہ بر آئے باغباں سے
گل کا بھی نہ کچھ چلے خزاں سے

لیتے ہیں غمزہ سے کام ابرو
یہ تیر ملے نہ گو کماں سے

جوں غنچہ وبالِ دل ہی غافل
ہر خندہ کہ نکلے ہی دہاں سے

ماننِد صبا تری گلی میں ‎— جو کوئی گیا پھرا نہ واں سے

ہی سیفِ زباں تری سیہ مست ‎— کہہ ساغرِ چشمِ دل ستاں سے

دُو ہیں وہ ہوا قلم کے مانند ‎— جو حرف نکل گیا زباں سے

شب خوں کے لیئے فلک پھرے ہی ‎— کھینچے ہوئے تیغ کہکشاں سے

ہرآن ہی واردات دل پہ ‎— آتا ہی یہ قافلہ کہاں سے

بدنام کرے ہی دخترِ رز ‎— مُغ اُس کو نکال اپنے یاں سے

ہی مثلِ چراغ درد میرا
دشمن دمِ عیسوی بھی جاں ہی

نہ ہاتھ اُٹھاوے فلک گو ہمارے کینے سے ‎— کسے دماغ کہ ہو دو بدو کمینے سے

نہیں خیال مجھے خاتمِ سلیماں کا ‎— برنگ نام ہوں برکندہ دل نگینے سے

بسانِ دانۂ انگور مے پرستوں نے ‎— لیا ہی فیض مرے دل کے آبگینے سے

ترقی اور تنزل کو یاں سے کچھ عرصہ ‎— مثال ماہ زیادہ نہیں مہینے سے

مجھے یہ ڈر ہی دلِ زندہ تو نہ مرجاوے ‎— کہ زندگانی عبارت ہی تیرے جینے سے

مآل کار سجھایا قصور نے ہم کو ‎— یہ نقد مال لگا ہاتھ اس دفینے سے

بسا ہی کون ترے جی میں گلبدن ای درد
کہ بو گلاب کی آئی ترے پسینے سے

جی کی جی ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی ‎— ایک بھی اُس سے ملاقات نہ ہونے پائی

دید وادید ہوئی دور سے میری اُس کی ‎— پر جو میں چاہا تھا سو بات نہ ہونے پائی

کون وہ بے سروساماں ہی کہ یارب چشمِ اشک ‎— جس کی خاطر کہیں برسات نہ ہونے پائی

اُٹھ چلے شیخ جی تم مجلسِ رنداں سے شتاب
جی میں منظور تھی جو آپ کی خدمت گاری

ہم سے کچھ خوب مدارات نہ ہونے پائی
سو تو اک قبلہ جات نہ ہونے پائی

جی فدا ہو ہی گیا اک نگہِ گرم کے ساتھ
دردؔ کچھ اور عنایات نہ ہونے پائی

فرصتِ زندگی بہت کم ہے
گو سراپا ہے آب آئینہ
دلِ صد چاک ہے گلِ خنداں
دین و دنیا میں تو ہی ظاہر ہے
خیر و شر کو سمجھ کہ وُہ ہے زہر
مت عبادت پہ پھولیو زاہد
سلطنت پر نہیں ہے کچھ موقوف
اپنے نزدیک باغ میں تجھ بن
نہ ملیں گے اگر کہے گا تو
دلِ عاشق کی سنے قراری کو

مغتنم ہے یہ دید جو دم ہے
اپنی آنکھوں میں چشم نے نم ہے
شادی و غم جہاں میں توام ہے
دونوں عالم کا ایک عالم ہے
سانپ کی زیستاہی تجھے سم ہے
سب طفیلِ گناہِ آدم ہے
جس کے ہاتھ آوے جام سو جم ہے
جو شجر ہے سو نخلِ ماتم ہے
تیری خاطر ہمیں مقدم ہے
وہ ہی سمجھے ہے جو کہ محرم ہے

دردؔ کا حال کچھ نہ پوچھو تم
وہ ہی رونا ہے نت وہی غم ہے

دل مرا باغِ دل کشا ہے مجھے
چشم نقشِ قدم ہوں میں بیکس
مجھ سے ہر چند تو مکدّر ہے

دیدہ جامِ جہاں نما ہے مجھے
خاک آنکھوں میں طوطیا ہے مجھے
تجھ سے پر اور ہی صفا ہے مجھے

ق

کہیں خاموش ہو کہ مثلِ شمع
ای زباں تجھ سے ہی گلا ہی مجھے

پانوں لرزے ہے مست کی مانند
شیشۂ می۔ ہر آبلا ہی مجھے

درد تیرے بھلے کو کہتا ہوں
یہ نصیحت سے مدعا ہی مجھے

ورنہ ان نے مروتوں کے لیے
اور بھی ہو خراب۔ کیا ہی مجھے

یارو مرا شکوہ ہی بھلا کیجیے اُس سے
مذکور کسی طرح تو جا کیجیے اُس سے

جوں جوں وہ کٹے ہی تو یہی آتی ہی جی میں
پھر چھیڑ لے اور باتیں سنا کیجیے اُس سے

سو مرتبہ یوں ٹھہر چکی۔ اب سے نہ ملیے
وہ بھی تو نہیں بنتی ہی۔ کیا کیجیے اُس سے

بیزار اگر مجھ سے ہو۔ مختار ہو، بہتر
دل جس سے ملے اپنا ملا کیجیے اُس سے

ہم کہتے نہ تھے درد میاں چھوڑ یہ باتیں
پائی نہ سزا اور وفا کیجیے اُس سے

سرسبز تھا نیستاں میرے ہی اشکِ غم سے
تھے سیکڑوں ہی نالے وابستہ ایک دم سے

واقف نہ یاں کسو سے ہم ہیں نہ کوئی ہم سے
یعنی کہ آ گئے ہیں بہکے ہوئے عدم سے

ہیں گو نہیں ازل سے پڑتا ابد ہوں باقی
میرا حدوث آخر جا ہی بھڑا قدم سے

گر چاہیے تو ملیے اور چاہیے نہ ملیے
سب تم سے ہو سکے ہی ممکن نہیں تو ہم سے

مشتاق گر ترا کچھ لکھے تو کیا عجب ہی
ہوں مثلِ نرگس آنکھیں پیدا ابھی قلم سے

ہر چند یہ تمنا درخور نہیں ہمارے
نزدیک تو جو آوے کیا دور ہی کرم سے

اب ہیں کہاں وہ نالے سرگشتگی کدھر ہی؟
تھیں سب یہ باتیں ثابت میری ہی دم قدم سے

ہو اک نگاہ کافی گو ہووے گاہ گاہے
چنداں نہیں ہی مطلب عاشق کو بیش و کم سے

کاہے کو ہوتی تم کو گردش نصیب طالع
گر پانوں اپنا باہر رکھتے نہ ہم عدم سے

آتے ہیں دام میں کب خورشید رو کسو کے
ای شیخ یہ نہیں ہیں تسبیح کے سے شمسے

ہی درد پر بھی کچھ تو میری ہی سی مصیبت
گھرے ہی اور ہی غم چھوٹے جو ایک غم سے

مراجی ہی جب تک تری جستجو ہی
خدا جانے کیا ہوگا انجام اس کا
تمنا ہی تیری اگر ہی تمنا
کیا سیر سب ہم نے گلزارِ دنیا
غنیمت ہی یہ دید وادید یاراں

زباں جب تلک ہی یہی گفتگو ہی
میں بے صبر اتنا ہوں وہ تند خو ہی
تری آرزو ہی اگر آرزو ہی
گل دوستی میں عجب رنگ و بو ہی
جہاں مند گئی آنکھ میں ہوں نہ تو ہی

نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر
جدھر دیکھتا ہوں وہی رو برو ہی

روندے ہی نقشِ پا کی طرح خلق یاں مجھے
ای گل تو رخت باندھ اٹھاؤں ہیں آشیاں
پہنچی ہی کو ئی بن کیے میرے تئیں تمام
پتھر تلے کا ہاتھ ہی غفلت کے ہاتھ دل
کچھ اور کنجِ غم کے سوا سوجھتا نہیں
جاتا ہوں خوش دماغ جو سن کرُ سے کبھو

ای عمر رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے
گلچیں تجھے نہ دیکھ سکے، باغباں سب مجھے
جوں شمع چھوڑنے کی نہیں یہ زباں مجھے
سنگِ گراں ہوا ہی یہ خوابِ گراں مجھے
آتا ہی یاد جبکہ وہ کنجِ دہاں مجھے
بدلے ہی وو وہیں نظر ِ دیکھا جہاں مجھے

جاتا ہوں بس کہ دم بدم اشباک میں ملا
ہی خضر راہ درد یہ ریگِ رواں مجھے

کب آزاد دیوانہ آوے قید میں تدبیر سے
جوں صدا نکلا ہی چاہے خانۂ زنجیر سے

قدر مردوں کی سمجھتے کے نہیں بے مایہ دار
جوہری واقف نہ ہووے جوہر شمشیر سے

دیکھنا تو آکے از خود رفتگاں کا حال ٹک
جا بجا سب پشت بر دیوار ہیں تصویر سے

منعم ایسے قصر لاکھوں مل گئے ہیں خاک میں
جز خرابی کے بنا کیا فائدہ تعمیر سے

درد اب ہنستے ہیں رونے پر مرے سب خاص و عام
کیا ہوئے وہ نالے جو لگتے تھے دل میں تیر سے

ہم چشمی ہے وحشت کو مری چشم شرر سے
آتے ہی نظر پھر یہیں غائب ہو نظر سے

اے ہم وطناں اب کی یہ غیرت زدہ ہرگز
پھرنے کا نہیں عمر کے مانند سفر سے

کیوں تیغ تری دشمنی کرتی ہے مرے ساتھ
مجھکو تو نہیں کام کسو کی بھی کمر سے

جاؤں میں کدھر جوں گل بازی نہ مجھے گردوں
جانے ہی نہیں دیتا ہے ادھر سے نہ ادھر سے

کیسے بھی بھلا شیخ ترے ساتھ چلیں گے
ایدھر کو پھریں گے ہم اگر یار کے گھر سے

اس طرح کے رونے سے تو جی اپنا رکے ہے
اے کاش یہ ابر مژہ دل کھول کے برسے

کھلتی ہے مری آنکھ جو احوال پہ اپنے
جوں شمع گھٹا جاتا ہوں میں اپنی نظر سے

اے سنگ جو کچھ تو نے کیا شیشے کے حق میں
کرتا ہے کوئی بھی یہ سلوک اپنے جگر سے

گر خاک مری سرمۂ ابصار نہ ہووے
تو کوئی نظر قابل دیدار نہ ہووے

سررشتۂ الفت ہے بڑا شیخ و برہمن
یہ رشتہ بجز سبحہ و زنار نہ ہووے

گر قید ہی قسمت میں ہے کچھ اور ہو یارب
پر دل تو کسو دل سے گرفتار نہ ہووے

پھر موت کسی طرح تو نزدیک نہ پھٹکے
دنیا میں یہ جینے کا جو آزار نہ ہووے

دل! ایسے ستمگار سے اظہار محبت
ایسا کہیں پھر دیکھیو زنہار نہ ہووے

گر زندگی اس طور سے ہی درد جہاں میں
خاطر پہ کسو شخص کے تو بار نہ ہووے

دیا ہی کس کی نظر نے یہ اعتبار مجھے
کہ ایک دم بھی نہیں ہی نئے پاس بار مجھے
سوائے تیرے کسو سے نہیں ہی واشد یاں
مثال آئنہ ای چشم انتظار مجھے
ہمیشہ اپنی نظر میں سبک میں رہتا ہوں
دیا ہی اوروں کی نظروں میں گو وقار مجھے
کبھو ہی جی میں گذرا خیال سرتا پی
برنگ سایہ بنایا ہی خاکسار مجھے
تمھارے وعدے بتاں خوب میں سمجھتا ہوں
رہا ہی ایسے ہی لوگوں سے کاروبار مجھے
یہ کون برق تجلی ہوا ہی آفت جاں
کہ ایک دم نہیں جوں شعلہ اب قرار مجھے
جفا و جور تو ظالم سبھی گوارا ہیں
مگر یہ رسم جدائی ہی ناگوار مجھے
یہ آپ ہی آپ کدھر تیوریاں بدلتے ہو
دکھائے تو سہی منہ بھی ایک بار مجھے

اس امر میں بھی یہ نہ لے اختیار ہی بندہ
ملا ہی درد اگر یاں کچھ اختیار مجھے

فرصت کیا کلا ہی ہوس یک دو قدم ہی باغ ہی
آپ کہیں کو اٹھیے سو کب یہ دل و دماغ ہی
دیکھیے جس کو یاں اُسے اور ہی کچھ دماغ ہی
کر رنگ شب چراغ بھی گو ہر شب چراغ ہی
غیر سے کیا معاملہ آپ ہی ہیں اپنے دام میں
قید خودی نہ ہو اگر پھر تو عجب فراغ ہی
حال کبھو تو پوچھیے میں جو کہوں سو کیا کہوں
دل ہی سو ریش ریش ہی سینہ سو داغ داغ ہی
کھو نہ سکے کبھو خمار میرے نشے کی آبرو
دیدۂ آئینے کی طرح تجھ سے بھرا ایاغ ہی
سنتے ہیں یوں کہ آہ تو ہم میں ہی چھپ رہا کہیں
اپنی تلاش سے غرض ہم کو ترا سراغ ہی

غفلت دل ہے یعنی گر پنبہ گوش خلق دہر
بلبل داستاں سرا ورنہ ہر ایک باغ ہے

اپنے تئیں تو ہر گھڑی غم ہے الم ہے داغ ہے
یاد کرے ہمیں کبھی کب یہ تجھے دماغ ہے

جی کی خوشی نہیں گرو سبزہ و گل کے ہاتھ کچھ
دل ہو شگفتہ جس جگہ وہی چمن ہے باغ ہے

کس کی یہ چشم مست نے بزم کو یوں چھکا دیا
مثل حباب سرنگوں شرم سے ہر ایاغ ہے

جلتے ہی جلتے صبح تک گزری اسے تمام شب
دل ہے کہ شعلہ ہے کوئی شمع ہے یا چراغ ہے

پائیے کس روش بتا اے بت بے وفا تجھے
عمر گزشتہ کی طرح گم ہی سدا سراغ ہے

سیر بہار و باغ سے ہم کو معاف کیجیے
اس کے خیال سے تو یاں دہر کسے فراغ ہے

لحظہ بہ لحظہ یاں نیا داغ پہ اور داغ ہے
تو بھی ادھر نگاہ کر ساحت سینہ باغ ہے

تیری نگاہ مست نے جیسے نہ کی ہو دوستی
خون سے اپنے مثل گل ہم نے بھرا ایاغ ہے

دولت فقر کے حضور گرد ہے جاہ و سلطنت
کہتے ہیں جس کو یاں ہما اپنی نظر میں زاغ ہے

اس کے خیال زلف نے سب سے ہمیں چھڑا دیا
گرچہ پھنسے ہیں دام میں دل کے تئیں فراغ ہے

ہم نے کہا بہت اسے پر نہ ہوا یہ آدمی
زاہد خشک بھی کوئی سخت ہی خر دماغ ہے

اہل نظر کو رہنما دہر نہیں ضرور کچھ
مثل شرر رہی ہے چشم اور وہی چراغ ہے

پھنسیے کسی کی زلف میں کب یہ ہمیں فراغ ہے
لیجیے شمیم سے سو بھی کہاں دماغ ہے

شعلۂ دل کو ہر گھڑی اے دم یاس مت بجھا
اپنی بساط میں تو یاں ایک یہی چراغ ہے

ہووے رقیب روسیہ آپ کے ساتھ جا بجا
کچھ بھی ہے ربط سمجھیے ہمرہ کبک زاغ ہے

قصہ ہی جس طرح سنے پہونچے آپ تک کہیں دن بھی یہی ہی جستجو رات یہی سراغ ہی

درد وہ گل بدن مگر تجھکو نظر پڑا کہیں
آج تو اس قدر بتا کس لیے بلغ باغ ہی

پہلو میں دل تپاں نہیں ہی
عالم ہو قدیم خواہ حادث
ڈھونڈے ہی تجھے تمام عالم
عنقا کی طرح میں کیا بتاؤں
جوں شمع نہ راز دل کہوں گا
وعدے پہ ہو کیونکہ یاں تسلی

ہر چند کہ یاں ہی یاں نہیں ہی
جس جا ہم نہیں ہم، جہاں نہیں ہی
ہر چند کہ تو کہاں نہیں ہی
جز نام مرا نشاں نہیں ہی
ایسی بھی مری زباں نہیں ہی
ہرگز یہ مجھے گماں نہیں ہی

فریاد کہ درد جب تلک میں
تیار ہوں- کارواں نہیں ہی

عشق ہر چند مری جان سدا کھاتا ہی
آہ کب تک میں کہوں تیری بلا سنتی ہی
ہم نشیں پوچھ نہ اس شوخ کی خوبی مجھ سے
بات کچھ دل کی ہمارے تو نہ سلجھی ہم سے
جی کڑا کر کے ترے کوچے سے جب جاتا ہوں
راہ پیدا ہے کبھو اس شوخ کے تیئں ہم سے بھی

پر یہ لذت تو وہ ہر جی ہی جسے پاتا ہی
باتیں لوگوں کی جو کچھ دل مجھے سنواتا ہی
کیا کہوں تجھ سے غرض جی کو سمجھاتا ہی
آپ ہی خوش ہوا پھر آپ ہی گھبراتا ہی
دل دشمن یہ مجھے گھیر کے پھر لاتا ہی
دید وادید تو ہوتی ہی جو مل جاتا ہی

درد کی قدر مرے یار سمجھنا واللہ
ایسا آزاد ترے دام میں یوں آتا ہی

یہ تحقیق ہے یا کہ افواہ ہے
کہ دل سے تئیں دل سے یاں راہ ہے

اگر بے حجابانہ وہ بت ملے
غرض پھر تو اللہ ہی اللہ ہے

عدم رفتگاں کو جو کہنا ہے کچھ
تو قاصد ہمارا سرِ راہ ہے

نہ پایا علم و دانش نہ فضل و ہنر
فقط ایک دل ہے کہ آگاہ ہے

گئے نالہ و آہ سب ہم نفس
دمِ سرد ہی اک ہوا خواہ ہے

خدا اس کو رکھے سلامت کہ ہے
خبر گیر دل گاہ نے گاہ ہے

یہ کیا درد تجھ پر مصیبت پڑی
کہ دن رات نالہ ہے اور آہ ہے

دشنام دے ہے غیر کو تو جان کر مجھے
پیارے یہ لطف کیجیے پہچان کر مجھے

کل کی طرح سے آ بھی اب نیند آ چلی
گھیرا اسی خرابی نے پھر آن کر مجھے

کہتا ہے اک نگاہ پہ آئینہ رو مرا
بس اور اب زیادہ نہ حیران کر مجھے

آنا بہ بندہ خانہ۔ اگر تجھ کو عار ہے
دولت سرا میں اپنے ہی مہمان کر مجھے

ہوں روبرو ترے چشم تو میں سرمہ در گلو
پر کبھو زلف سے نہ پریشان کر مجھے

صدقے ترے ہیں کب تلک تڑپا کروں عبث
ہر روزِ عید آج تو قربان کر مجھے

ہیں شعر فہم جتنے زمانے میں لا کلام
اے درد مانتے ہیں یہ سب آن کر مجھے

یاں غیب کے جلوے کے تئیں جلوہ گری ہے
جو شخص کہ گزرا ہے نظر سے نظری ہے

گر ناز کی عشق نے تجھے رنگ دکھا دے
ہر سنگ میں شیشہ ہے بہر شیشہ پری ہے

جوں شیشۂ ساعت ہیں تنک ظرف جہاں کے
واں دل میں کدورت ہے تو یاں یاد بھری ہے

سو طرح سے دیتے ہیں اُسے پیچ ہنر مند
مجھ سے نہیں ملتا یہ مری بے ہنری ہی

دل تنگ ہی یہ غنچۂ دل منہ نہ کھلاتا
جوں نکہتِ گل اس میں تری پردہ دری ہی

ہی جوں مہ و خورشید زر و سیم میسر
تو بھی تو حریصوں کے تئیں دربدری ہی

لیتا ہی خبر وہ تو سبھی خلق کی لیکن
اپنے تئیں ای درد بہت بے خبری ہی

مجکو تجھ سے جو کچھ محبّت ہی
یہ محبّت نہیں ہی آفت ہی

لوگ کہتے ہیں عاشقی جس کو
میں جو دیکھا بڑی مصیبت ہی

بند احکامِ عقل میں رہنا
یہ بھی اک نوع کی حماقت ہی

ایک ایمان ہی بساط اپنی
نہ عبادت نہ کچھ ریاضت ہی

آپھنسوں میں بتوں کے دام میں یوں
درد یہ بھی خدا کی قدرت ہی

گل اگر سنکھ ہو بعضے بھید کچھ کہکر گئے
بلبلو کتنے ہی غنچے رازِ دل تہ کر گئے

چند مدّت اب تم ای یارانِ آئندہ رہو
بیش ازیں یک چند اس بستی میں ہم رہ کر گئے

آنسوؤں میں کچھ جگر کے بھی ہیں ٹکڑے بعض بعض
یہ نہیں معلوم لختِ دل کدھر بہ کر گئے

یہ نہ سمجھے اور ہی شاطر نے شہ دی تھی انھیں
زعم میں اپنے سلاطیں آپ کو شہ کر گئے

کشتگانِ عشق کی بنیو خدا سے خوب درد
سخت صدمے یہ بتوں کے ہاتھوں ٹک سہ کر گئے

شخص و عکس اس آئنہ میں جلوہ فرما ہو گئے
ان نے دیکھا اپنے تئیں ہم اس میں پیدا ہو گئے

آئے تھے اس مجمع میں قصد کرکے دور سے
ہم تماشے کے لیے آپ ہی تماشا ہو گئے

شیخ صاحب کچھ نہ پوچھو خلق ہی وہ پُر فساد
جس میں یاں اصلاح سے ہی فتنے برپا ہو گئے

آہ وہ وہ شخص جو دیتے تھے خبر غیب کی
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں ان کو لوگ وہ کیا ہو گئے

دل ہی کچھ تنہا خفا ہو کے نہ یاں سے پھر گیا
ہم بھی تو اے دردؔ چلنے کو مہیا ہو گئے

تہمت چند اپنے ذمے دھر چلے
جس لیے آئے تھے سو ہم کر چلے

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کیا ہمیں کام ان گلوں سے اے صبا
ایک دم آئے ادھر اودھر چلے

دوستو دیکھا تماشا یاں کا بس
تم رہو اب ہم تو اپنے گھر چلے

آہ بس جی مت جلا تب جانیئے
جب کوئی افسوں ترا اُس پر چلے

ایک میں دل ریش ہوں ویسا ہی دوست
زخم کتنوں کے سنا ہے بھر چلے

شمع کے مانند ہم اس بزم میں
چشم نم آئے تھے دامن تر چلے

ڈھونڈھتے ہیں آپ سے اس کو پرے
شیخ صاحب چھوڑ گھر باہر چلے

ہم نہ جانے پائے باہر آپ سے
وہ ہی آڑے آگیا جیدھر چلے

ہم جہاں میں آئے تھے تنہا ولے
ساتھ اپنے اب اُسے لیکر چلے

جوں شرر اے ہستیِ بے بود یاں
بارے ہم بھی اپنی باری بھر چلے

ساقیا یاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

دردؔ کچھ معلوم ہے یہ لوگ سب
کس طرف سے آئے تھے کیدھر چلے

بات جب آن دان پڑتی ہی — تب کہیں تیرے کان پڑتی ہی

آتش عشق قہر آفت ہی — اک بجلی سی آن پڑتی ہی

آخر الامر آہ کیا ہو گا — کچھ تمہارے بھی دھیان پڑتی ہی

بات چڑھتی ہی دل پہ جو آخر — خلق کے پھر زبان پڑتی ہی

میرے احوال پر نہ ہنس اتنا — یوں بھی ای مہربان پڑتی ہی

شعر ہی اور درد ہی یعنی
بات میں اور ہی جان پڑتی ہی

اک آن سنبھلتے نہیں اب میرے سنبھالے — نے طرح کچھ ان آنسوؤں نے پاؤں نکالے

جو کچھ کہ دکھاوے گا خدا دیکھیں گے ناچار — صدقے ترے اکبار تو منہ اپنا دکھالے

ایسے سے کوئی اپنے تئیں کیونکہ بچاوے — دل زلفوں سے بچ جاوے تو آنکھوں سے چرالے

وہ سرخ لباس اس کے گلے میں نظر آیا — جس کے ہیں مرے دل میں پتاپے تئیں لالے

کب تجھ پہ گذرتا ہی کبھو میرا سا احوال — یوں چاہیے سو تو اور بھی کچھ باتیں بنالے

کیا جانیے کس دل کے تئیں آہ ڈسیں گے — زلفوں نے تو بے طرح یہ اب چھوڑے ہیں کالے

پھر آگے قیامت ہی اگر اب بھی نہ آؤ — مرمٹ کے جدائی کے دن اتنے تو ہیں ٹالے

ابرو نے تری جس طرف اب تیغ نکالی — مژگاں نے وہیں کر دیئے تب سامنے بھالے

وعدے کی تو مدت نہ کہی درد کچھ اس نے
اس غم کو بھلا کہیئے کوئی کب تئیں ٹالے

غیر جو بے فائدہ ہاتھوں پہ گل کھایا کیے — ہم بھی ناحق داغ اپنے دل کے تئیں کھلایا کیے

دل کی کل جانے مجھے شکوہ تو ملنے کا نہیں — گاہ گاہے پاس میرے آپ تو آیا کیے

دن تمھارے تو کٹے بارے خوشی سے ہر طرح
دل بُرا ہوتا ہے کوئی تجھ سے پر یوں ہی عبث
چین تو ہم کو نہ آیا ایک ساعت اس بغیر
دیکھنے پاتا نہیں ہے کوئی جس کی چھانوں ہاں
اپنے دروازہ تلک بھی وہ نہ آیا ایک بار
یا تو وہ راتیں تھیں یا یہ کچھ دنوں کا پھیر ہے

ہم بلا سے یاں پڑے راتوں کو گھبرایا کیے
ہم سدا غیروں سے ملنا سن کے گھبرایا کیے
رات دن ہرچند اپنے دل کو بہلایا کیے
لے چلی ہے آج ہم کو وہ پری سایا کیے
ہر گھڑی اُٹھ اُٹھ کے ہم جس کے لیے جایا کیے
ہاتھ اب لگتے نہیں تب پاؤں دبوایا کیے

تب ہمارے اس کے اب تک یوں نبھی تھی دردیاں
بات ایسی ویسی ہم خاطر میں کم لایا کیے

ہوا جو کچھ کہ ہونا تھا کہیں کیا جی کو رو بیٹھے
بساط اپنی میں ہم تھے آپ سو اب تو نہیں ملتے
نہ پوچھو کچھ ہمارے ہجر کی اور وصل کی باتیں
وفا کی چھینٹ بھی تجھ پر پڑی ہرگز نہ اے ظالم

بس اب اک ساتھ ہم دونو جہاں ہاتھ دھو بیٹھے
نہ تھا کچھ اور اپنے پاس جو رکھتے تھے کھو بیٹھے
چلے تھے ڈھونڈنے جس کو سو وہ ہی آپ ہو بیٹھے
لگا تھا خون داماں سے سو وہ بھی آپ دھو بیٹھے

نہ اُٹھو دہاد اپنے بستر سے طمع کر ہرگز
جو کچھ یوں غیب سے آوے سو تم البتہ لو بیٹھے

جو یاں کچھ چاہنے والے قریب یک گر بیٹھے
نہ پوچھو عشق کی سوزش نے عالم میں کیا کیا کیا
محبت نے تمھاری دل میں بھی اتنا تو سر کھینچا
کوئی دن اور بھی ہم کو پھرا لے گردشِ دوراں
نہ آنا تھا بھرا جی میں سو اب تو کچھ کرو خالی

ہم اپنا دل بغل میں داب لیکر آہ کر بیٹھے
عجب طوفاں اُٹھائے یہ کہ جس سے گھر کے گھر بیٹھے
قسم کھانے لگے تب ہاتھ میرے سر پہ دھر بیٹھے
نہیں اُٹھنے کے پھر ہرگز کہیں اب کے اگر بیٹھے
کہ دن جتنے تھے وعدوں کے نہ ملنے سے ہی بھر بیٹھے

پر لکھا کس لیے اتنا کوئی جانے جو کچھ جانے
سدا رہتے ہیں یوں تو لوگ یاں ادھر ادھر بیٹھے

کوئی بیٹھ اُس کنے یاں جاسکے ہے اس طرح جلدی
چلے تھے ہر گھڑی اٹھ اُٹھ کے ہم اے درد پر بیٹھے

کبھو تو نے وفائی یاد آجی کو ڈراتی ہے
چھلاوا سا جو ہو جاتا ہے جلوہ وصل کا گاہے
کبھو رونا کبھو ہنسنا کبھو حیران ہو رہنا
اگر رستم ہو تو بھی کب یہ صدمہ تھم سکے اس سے

کبھو اُمید وعدوں کی بھروسے یاں دلاتی ہے
جدائی پھر تو اک مدت عوض کیا کیا دکھاتی ہے
محبت کیا بھلے چنگے کو دیوانہ بناتی ہے
تپش دل کی سنبھالوں یوں تو میری ہی چھاتی ہے

پھرے ہے اس طرح جو آج تو اے درد بیخود سا
بتا ہم کو بھی ٹک بارے وہ کیا آفت کہ آتی ہے

ہر گھڑی ڈھاپنا چھپانا ہے
وصل سے بھی تو سیری ہوتی ہے
دل لگاؤ کہ یا گلے ہی لگو
ترچھی نظروں سے دیکھنا ہر دم
یہی اپنی بھی گوں کی باتیں ہیں
واہ ری یہ زبان کی تیزی

الغرض نو بنو دکھانا ہے
کہیں اس بات کا ٹھکانا ہے
داؤ ہی سیکھیے جو لگانا ہے
یہ بھی اک بانکپن کا بانا ہے
آ ہی جانا جدھر کو آنا ہے
ہر طرح کچھ نہ کچھ سُنانا ہے

دیکھیو کیجیو نہ سنے دردی
درد کو بھی تو مُنہ دکھانا ہے

دل سنے تجھے کیوں ہونے لگی ایسی
کون دیکھی ہے اچپلی ایسی

سب برا کہتے ہیں تو کہنے دو
بات لاے ہو تم بھلی ایسی

وہ ملے گا تو ہم بھی ملتے ہیں
آپ لگ کے چلیے کیا چلی ایسی

خون ہوتا ہے دل کا یاں آؤ
مہندی پانوں میں کیا ملی ایسی

اس کے گھر میں کدھر سے پہونچیے جا
دل بتا دے کوئی گلی ایسی

مسکرایا خوشی سے وہ جس طرح
باغ میں کب کھلی کلی ایسی

ذہن دھبراگے تو جو یوں چونکا
کیا اٹھی جی میں کھلبلی ایسی

کیف وکم کو دیکھ اسے نے کیف وکم کہنے لگے
جب حدوث اپنا کھلا راز قدم کہنے لگے

غیر کچھ کچھ کان میں بھی دم بدم کہنے لگے
بات تم اب اپنے دل کی ہم سے کم کہنے لگے

واہ وا قسمت کی مجبوری کو دیکھا چاہیے
وہ ہوا نے پردہ تب ہم اس کو ہم کہنے لگے

غافل تم بات اپنی بھی سمجھتے ہی نہیں
ہے کسی کا وہ دہن جس کو عدم کہنے لگے

بت پرستی کفر یاں دل کی گرفتاری ہے ذہن
چاہنے جس کو لگے اس کو صنم کہنے لگے

دشوار ہوئی ظالم تجھ کو بھی نیند آئی
لیکن سنی نہ تو نے ٹک بھی مری کہانی

منظور زندگی سے تیرا ہی دیکھنا تھا
ملتا نہیں جو تو ہی پھر کیا ہے زندگانی

محتاج اب نہیں ہم ناصح نصیحتوں کے
ساتھ اپنے سب وہ باتیں لیتی گئی جوانی

مرنے سے آگے کیا ہے مرجائیں گے تو مرجائیں
بہتر نہ ملیے ہم سے گر یوں ہی جی میں ٹھانی

میرے غبار کا کچھ پایا نشاں نہ ہرگز
صحرا میں جا صبا نے ہر چند خاک چھانی

جب کہا میں کہ ٹک خبر لینا
دل پہ آفت ندان ہے پیارے

ایک دم میں تو جی ہی جاتا ہے
تب لگا کہنے سچ یوں ہی ہو گا
میرے دل کی جو پوچھیے یہ ہے
تجھ سے مر جائیں گے تو مر جائیں

زیست اب کوئی آن ہے پیارے
کیا پر اس کا بیان ہے پیارے
جان تو اپنی جان ہے پیارے
جان ہے تو جہان ہے پیارے

تیری گلی میں میں نہ چلوں اور صبا چلے
کس کی یہ موجِ حسن ہوئی جلوہ گر کہ یوں
ہم بھی جرس کی طرح تو اس قافلے کے ساتھ

یوں ہی خدا جو چاہے تو بندے کی کیا چلے
دریا میں جو حباب تھے آنکھیں چھپا چلے
نالے جو کچھ بساط میں تھے سو سنا چلے

کہیو پیٹھیو نہ درد کہ اہلِ وفا ہوں میں
اس سنے وفا کے آگے جو ذکرِ وفا چلے

جتنی بڑھتی ہے اتنی گھٹتی ہے
زلف کی کج ادائیاں دیکھو
آج ہے آہ کی ہوا کچھ اور

زندگی آپ ہی آپ کٹتی ہے
ہر گھڑی منہ سے جا لپٹتی ہے
دیکھیے کس طرف پلٹتی ہے

جو خرابی کہ درد یاں پھیلی
دستِ قدرت سے کب سمٹتی ہے

گر نامِ عاشقی ترے نزدیک ننگ ہے
اس خانماں خراب کے لیجاؤں میں کہاں
تیری درشتیوں کو سمجھتا ہوں آشتی
کرتا ہے اس قدر تو خفا درد کو عبث

کرنے نہ قتل مجھ کو تو پھر کیا درنگ ہے
دل پر تو یہ فضائے بیاباں بھی تنگ ہے
تجھ کو یہ میرے ساتھ عبث عزمِ جنگ ہے
ظالم وہ اپنی جان سے آپ ہی تنگ ہے

آہستہ گذر یو تو صبا کوے یار سے
اُس سنگ دل کی وعدہ خلافی کو دیکھیے
سینے کو چاک صبح کے مانند گر کروں

پیچش نہ کیجیو مری مشتِ غبار سے
پتھرا گئی ہیں آنکھیں مری انتظار سے
جوں آفتاب نکلے مرا دل کنار سے

ای دردؔ غیر کا نہیں شکوہ مرے تئیں
جو کچھ گلہ ہی مجھ کو سو ہی اپنے یار سے

دیکھ لوں گا میں اُسے دیکھیے مرتے مرتے
لا گلابی دے مجھے ساقی کہ یاں مجلس ہی
جو گیا کوچے میں اُس کے نہ پھرا ایدھر کو

یا نکل جائیگا جی نالے ہی کرتے کرتے
خالی ہو جاے ہی پیمانے کے بھرتے بھرتے
ای صبا جاتی تو ہی جائیو ڈرتے ڈرتے

دردؔ جوں نقشِ قدم تھا سرِ رہ پر اُس کے
مٹ گیا اوروں ہی کے پانوں کے دھرتے دھرتے

آیا ہی ابر اور چمن میں بہار ہی
ظالم سمجھ کے اپنے نظر پھیکیو کہیں
روتا نہیں ہی شاہد مینا یہ نے سبب

ساقی شتاب آ کہ ترا انتظار ہی
گزرا جدھر یہ تیر تو پھر وار پار ہی
گردن پہ اُس کی خون کسی کا سوار ہی

نادان نظر سے اپنی گرا دے نہ دردؔ کو
جو کچھ کہ ہی سو ہی یہ ترا دوست دار ہی

مدت ہوئی کہ وہ سی عنایات رہ گئی
یاں کون آشنا ہی ترا کس کو تجھ سے ربط
بارے ہی بدی تھی اُس نے مری چشمِ تر کے ساتھ

اب گاہ گاہ سیدھی ملاقات رہ گئی
کہنے کو یہ بھی لوگوں کے اک بات رہ گئی
آخر کو ہار ہار کے برسات رہ گئی

وہ دخترِ رز کہ چھلتی پھرے ہی جہاں کو
کہتے ہیں درد پاس بھی اک رات رہ گئی

گرچہ بیزار تو ہی پر اسے کچھ پیار بھی ہی
ساتھ انکار کے پردے میں کچھ اقرار بھی ہی

زاہدا شرک خفی کی بھی خبر ٹک لینا
ساتھ ہر دانہ تسبیح کے زنّار بھی ہی

چشمِ رحمت سے ادھر کو بھی نظر کیجیئے گا
اسی امید پہ آیا یہ گنہگار بھی ہی

دل بھلا ایسے کو ای درد نہ دیجے کیونکر
ایک تو یار ہی اور تس پہ طرحدار بھی ہی

جب نظر سے بہار گزرے ہی
جی پہ رفتار بار گزرے ہی

وہ زمانہ سے باہر اور مجھے
رات دن انتظار گزرے ہی

جس کے تو ہو کے سامنے گزرا
آپ سے بار بار گزرے ہی

نالۂ زار درد کا ہر اک
چھوٹتے دل کے پار گزرے ہی

تو چونکتا عبث ہی کسی بات کے لیے
میں آ گیا ہوں صرف ملاقات کے لیے

یوں ہی تمام جھگڑے ہی رگڑے میں ہو گئی
ہر دن خراب پھرتے تھے جس رات کے لیے

اگلے معاملے کو اگر بیچ کیجیئے معاف
لگ جاؤں اب گلے سے مکافات کے لیے

ہم جانتے ہیں درد اندھیرے میں رات کو
تو لگ رہا ہی کوچہ میں جس گھات کے لیے

غمناکی بیہودہ رونے کو ڈبوتی ہی
گر اشک بجا ٹپکے آنسو نہیں موتی ہی

دم لینے کی فرصت یاں ٹک دی نہ زمانے نے
خورشید قیامت کا سر پر تو آب آ پہونچا
خورشید نہ تنہا ہے گردش میں زمانے کی

ہم تجکو دکھا دیتے کچھ آہ بھی ہوتی ہے
غفلت کو جگا دینا کس نیند یہ سوتی ہے
یاں اپنے دلوں کے تئیں شبنم بھی تو روتی ہے

جو ملنا ہے مل پھر کہاں زندگانی
عجب خواب در پیش ہے پھر تو سب کو
دلاسا تو دیجو تو ٹک جا کے اُس کو
نجاوے گا جب تک کہ جی میں جی ہے

کہاں ہیں کہاں تو کہاں نوجوانی
سُنا تو ٹک اب اپنی اپنی کہانی
تڑپتی ہے بیکس مری جاں فشانی
ترا غم ہے پیارے مرا یار جانی

درد اپنے حال سے تجھے آگاہ کیا کرے
فرسودگی ہے رشتۂ تسبیح کا حصول
جس دل پہ نے وفائیِ معشوق کے سبب
دل دے چکا ہوں اس بتِ کافر کے ہاتھ میں

جو سانس بھی نہ لے سکے سو آہ کیا کرے
دل میں کسو کے آہ کوئی راہ کیا کرے
یہ کچھ گزر چکا ہو وہ پھر چاہ کیا کرے
اب میرے حق میں دیکھیے اللہ کیا کرے

آنکھوں کی راہ ہر دم اب خونِ دل رواں ہے
غنچہ ہے دل گرفتہ گل کا ہے چاک سینہ
آہوں کی کشمکش میں دیکھو کہیں نہ ٹوٹے
گمنام اب جہاں میں مجھ سا نہیں ہے کوئی

جو کچھ ہے میرے دل میں مُنہ پر مرے عیاں ہے
گلشن میں ہے تو یہ کچھ آسودگی کہاں ہے
تارِ نفس سے ای دل وابستہ میری جاں ہے
عنقا کا نام ہے تو پھر چند نے نشاں ہے

دل تڑپتا ہے درد پہلو ہے
غم سے پہچانتا نہیں ہوں میں

جی نکل جائیو کہ قابو ہے
کہ مرا سر ہے یا کہ زانو ہے

منع صہبا نہ کرنے مجھے ای شیخ!

می پرستوں کے حق میں دارو ہی

جلوہ گر ہی تجھی میں ای ذرّے
جس کی خاطر تجھے تگاپو ہی

ہستی ہی سفر، عدم وطن ہی
ہرچند کہ سنگِ دل ہی شیریں
دیکھا تو یہ شورشِ من و ما
مت جا تر و تازگی پہ اُس کی

دل خلوت و چشم انجمن ہی
لیکن فرہاد، کوہ کن ہی
ہنگامۂ وصلِ جان و تن ہی
عالم تو خیال کا چمن ہی

نہ وہ نالوں کی شورش ہی۔ نہ آہوں کی ہی وہ دھونی
جلا کر دیکھ نامے کو حقیقت گر نہیں پڑھتا
تپش کو دل کی میں جانا تھا یہ آنسو بجھا دیں گے
پڑی ہی خاک پر یہ لاشِ اُس رشکِ گلستاں کی

ہوا کیا درد کو پیارے گلی کیوں آج ہی سونی
محبت کے شراروں نے یہ چھائی جس طرح بھونی
و لے یہ آگ کو پانی سے بھڑکی اور بھی دونی
لہو کے آنسوؤں روتا ہی جس کو قتل کر خونی

تو اس قدر جو اُس کا مشتاق ہو رہا ہی
کوئی بھی شخص اس کا مارا ہوا نہ پنپا
سیماب کشتہ کس کا ما، الحیات کیدھر

کیا دل سے بھی زیادہ آئینہ میں صفا ہی
دل مت کہیں لگانا الفت بُری بلا ہی
گر جی کو مار سکیے ای درد کیمیا ہی

کس کے تئیں نہ دیکھیے کس پہ نگاہ کیجیے
عہد شکن ہو، خواہ وہ دل شکنی کیا کرے
کعبہ کو بھی نہ جائیے دَیر کو بھی نہ کیجے مُنہ

کھو لیے جس طرف نظر سمجھیے آہ کیجیے
اس کی طرف سے ہو سو ہو آپ نباہ کیجیے
دل میں کسو کے درد یاں ہووے تو راہ کیجیے

نہ وہ بہار واں ہے نہ یاں ہم جواں رہے
آباد رکھیو خانۂ دنیا کو ای سپہر

ملیے پھر اُس سے آہ پہ وہ دن کہاں رہے
یک چند ہم بھی آن کے یاں میہماں رہے

دل اپنے پاس گو کبھو رہتا نہیں ہی درد
پر ہی یہی دعا وہ رہے خوش جہاں رہے

اگر آہ بھریئے اثر شرط ہی
بڑا غبن فاحش ہی انسان میں
قدم عشق میں درد رکھتا تو ہی

وگر ضبط کریئے جگر شرط ہی
پرکھنے کو اُس کے نظر شرط ہی
وہ جانے کہاں ہیں خبر شرط ہی

لخت جگر سب آنسوؤں کے ساتھ بہہ گئے
کس کس طرح سے ہم نے بھی سُن سُن کے ٹالیا
اُس کی نظر میں درد یہ کچھ بات ہی نہیں

کچھ پیار ہاے دل ہیں کہ پلکوں میں رہ گئے
ہر چند ہم بھی باتوں میں کچھ کچھ تو کہہ گئے
دانست میں ہم اپنی جو کچھ سُن کے سہہ گئے

یہ زاہد کب خطا سے نرے خطر ہی
علاج دردِ سر صندل ہی لیکن

اگر آدم نہیں تو بھی بشر ہی
ہمیں گھسنا ہی اُس کا دردِ سر ہی

سراپا چشم ہوں جوں آئینہ پر
کسو پر درد کب میری نظر ہی

کروں کس کے ساتھ ای نرگس گرمجوشی
خبر اپنی لے ای گلستانِ خوبی
نپٹ مست ہی بسکہ نرگس چمن میں

نہ دیکھی زمانے کی تو چشم پوشی
کرے ہی تبسم ترا گل فروشی
کسو کی تو آنکھوں نے کی بادہ نوشی

جگر پہ داغ نے میرے یہ گلفشانی کی
مری سی نالہ تراشی نہ کر سکا فرہاد
ہم اتنی عمر میں دنیا سے ہو گئے بیزار

کہ اس نے آپ تماشے کو مہربانی کی
اگرچہ اُس نے بھی اک عمر تیشہ رانی کی
عجب ہی خضر نے کیونکر کہ زندگانی کی

دل سمت سینہ یا طرفِ سر کو منہ کرے
کیا کم ہی مرغِ قبلہ نما سے بھی مرغِ دل
اُس کے تئیں بھی دخترِ رز ٹک تو منہ لگا

چھوڑا یہ دردؔ دیکھیے کیدھر کو منہ کرے
سجدہ اُدھر ہی کیجیے جیدھر کو مُنہ کرے
ہیں جانوں پھر یہ زاہد اگر گھر کو منہ کرے

مت اٹکیو تو اس ہیں کہ مشہود کون ہی
دونوں جگہ میں معنی مولا ہی جلوہ گر
تجھ پر کھلا ہی رازِ الیہ المصیر اگر

ہر مرتبہ میں دیکھیو موجود کون ہی
غافل ایاز کون ہی محمود کون ہی
ہر فعل میں سمجھیو کہ مقصود کون ہی

اک خلق سے میت مڑ نے خبری ہے
ہر آہِ شرر بار ہی جوں سروِ چراغاں
غافل تو کدھر بہکے ہی ٹک دل کی خبر لے

کس زلف کی بو تجھ میں نسیمِ سحری ہی
کیا آگ الٰہی مرے سینہ میں بھری ہی
شیشہ جو بغل میں ہی اُسی میں تو پری ہی

رباعیات

جان تو اک جہان رکھتا ہی
تیرے پہ ڈھنگ اور تجھ سے میاں

کون میری سی جان رکھتا ہی
دردؔ کیا کیا گمان رکھتا ہی

نہیں چھوڑتی قیدِ ہستی مجھے زمانے نے اے درد جوں گردباد	اگر کھینچ لے جاے مستی مجھے دکھائی بلندی و پستی مجھے
کیا جانیے کیا دل پہ مصیبت یہ پڑی ہے اس طرح سے اک بخت جو آنسو نہیں تھمتے	اک آگ سی کچھ ہے کہ وہ سینے میں گڑی ہے معلوم ہوا درد کہیں آنکھ لڑی ہے
بس ہے یہی مزار پہ میرے کہ گاہ گاہ اے درد کیا عجب ہے مرے اشک و آہ سے	جاے چراغ کوئی دلِ مہرباں جلے ڈھونڈے اگر زمین و گر آسماں جلے
آیا نہ چین جی کو نہ دل سے تپک گئی اب کون حالِ دل کہے اس مستِ ناز سے	میں چپ ہوں کہاں تئیں چھاتی تو پک گئی اک آہ تھی سو وہ بھی سر اپنا پٹک گئی
دل ہی یہ بیقرار نہ ہووے تو کیا کرے عاشق تو جانتا ہی نہیں اور کون ہے	اپنا جب اختیار نہ ہووے تو کیا کرے اُس کو پر اعتبار نہ ہووے تو کیا کرے
نہ ملیے یار سے دل کو تو کب آرام ہوتا ہے یہ حسن و عشق دل سمجھیں نبٹیگے آپس میں جو ہوگا	وگر ملیے تو مشکل ہے کہ وہ بدنام ہوتا ہے پر ان دونوں کے جھگڑے میں اپنا کام ہوتا ہے
یہی پیغام درد کا کہنا کونسی رات آن ملیے گا	گر کوئی کوے یار میں گزرے دن بہت انتظار میں گزرے
ہمارے جامۂ تن میں نہیں کچھ اور بس باقی	گریباں میں ہے مثلِ صبح اک تارِ نفس باقی

یکایک عشق کی آتش کا شعلہ اس قدر بھڑکا	نہ چھوڑا سرزمینِ دل میں کوئی خار و خس باقی
گلرخاں کا بحر و بر میں جو کہ ہے مدہوش ہے وصف خاموشی کے کچھ کہنے میں آسکتے نہیں	ہم نے دریا میں بھی دیکھا بلبلوں کا جوش ہے جس نے اس لذت کو پایا ہے سدا خاموش ہے
گر جان ہے تو جان کے آزار ساتھ ہے دنیا وہ فاحشہ ہے کسو سے نہیں تچی	یاں زندگی کے مردنِ دشوار ساتھ ہے دیکھا جسے تو اُس کے یہ مردار ساتھ ہے
پوچھ مت قافلۂ عشق کدھر جاتا ہے گو اُچٹتا ہے مرا نالہ بتوں کے دل سے	راہ رو آپ سے اس رہ میں گزر جاتا ہے کچھ نہ کچھ کام تو اپنا بھی یہ کر جاتا ہے
گر معرفت کا چشم بصیرت میں نور ہے آتی ہے دل میں اور ہی صورت نظر مجھے	تو جس طرف کو دیکھے اُسی کا ظہور ہے شاید یہ آئینہ بھی کسی کے حضور ہے
نہ کچھ غیر سے کام نے یار سے مجھے دیکھ دشنام کہنے لگا	کہیں چھوٹوں اس دل کے آزار سے نہ ہوگا خوش اب بھی تو بیزار سے
غیر اس کوچہ میں اب دیکھا تو کم آنے لگے کون ایسا آرہا ادھر کہ تم اس کی طرف	تیری خاطر میں کبھو شاید کہ ہم آنے لگے آنہ پھرتے تجھے کبھو یا دم بدم آنے لگے

باب فردیات

سلجھتی بات جن طرحوں میں ہم ویسا ہی سلجھاتے	یہ اُلجھیڑ النظر آتا تو اپنا دل نہ اُلجھاتے

گل کھائے تھے جنھوں نے وہ گل کچھ نہ کچھ کھلے ∴ پر داغ اپنے دل کے تو سب خاک میں ملے

اگر نہاں ہے تو تو ہے وگر عیاں تو ہے ∴ غرض کہ دیکھ لیا میں جہاں تہاں تو ہے

دل کو سب قیدوں سے اس وقت میں آزادی ہے ∴ مر چکے اب نہ ہمیں غم ہے نہ کچھ شادی ہے

یارب سپہر اتنی تو اب در گزر کرے ∴ یہ خانماں خراب کسی دل میں گھر کرے

اس تیغ آبدار کا گر یہ ہی وار ہے ∴ پیارے تو زخمیوں کا ترے وار پار ہے

مرا تو جی وہیں رہتا ہے نت جہاں تو ہے ∴ اگرچہ میں یہ نہیں جانتا کہاں تو ہے

نہ مرتے ہیں نہ نیند آتی نہ وہ صورت گزرتی ہے ∴ یہ جیتے جاگتے ہم پر قیامت سب گزرتی ہے

نہ یاں قصہ سکندر کا نہ مذکور سلیمانی ∴ ہماری بزم میں ہوتا ہے اور ہی ذکر سلطانی

از بس کہ جہان نقش فنا کا ہی نگیں ہے ∴ دل جس سے لگا پھر سے دیکھا تو نہیں ہے

طلسم ہستی موہوم دل پر سخت چنبر ہے ∴ برنگ عکس مجکو آئنہ سد سکندر ہے

تعین گر مٹے دل سے تو کفر آثار ہو جاوے ∴ اگر عقدے کھلیں تسبیح کے زنّار ہو جاوے

تری آنکھیں دکھا دیجے تو نرگس مست ہو جاوے ∴ اگر دیکھے یہ قامت سرو گلشن پست ہو جاوے

نالہ ہے سو بے اثر اور آہ بے تاثیر ہے ∴ سنگدل کیا تجکو کہیے اپنی ہی تقدیر ہے

تجھ بن کہوں کیا تجھ سے کس طرح کٹے ہے ∴ نے دن ہی نبڑتا ہے نہ یاں رات کٹے ہے

کیجیے کیا؟ آہ! کدھر جائیے ∴ چھوٹیے اس دکھ سے جو مر جائیے

اس طرح جی میں سانس کھٹکے ہے ∴ سانس ہے یا کہ پھانس کھٹکے ہے

مشابہ کوئی ان آنکھوں سے کم ہے ∴ یہ نرگس ہے سو مرفوع القلم ہے

عبث دل بیکسی پہ اپنی تو ہر وقت روتا ہے ∴ نہ کر غم اے دوانے عشق میں ایسا ہی ہوتا ہے

بت پرستی ہے اب نہ بت شکنی ∴ کہ ہمیں تو خدا سے آن بنی

نہیں ہے بے سبب خندۂ دنداں نما ہر دم ∴ کسو کے تو لہو پینے پہ یعنی دانت رکھتا ہے

زبس درد جدائی نے تری بندوں کو مارا ہے ∴ اگر آزار بھی ہوتا ہے تو وجع مفاصل ہے

دیکھ کر رخسار تیرے کی صفا	آئینہ کی یاں اُکھڑتی ہی قلعی

رباعیات متفرق

مدت تئیں باغ و بوستاں کو دیکھا جوں آئینہ کب تلک پریشاں نظری	یعنی کہ بہار اور خزاں کو دیکھا — اب مونڈلے آنکھ بس جہاں کو دیکھا —
دیکھا ہی میں نے زندگی کا جب سے سپنا تقصیر معاف تب ہی ہو گی ای درد	جلنا ہی سدا ہی مجھکو نت ہی کھپنا جوں شمع کروں گا جب قدمبوس اپنا
ای درد یہ کون صبر کو لوٹ گیا کیا تجھ پہ مصیبت پڑی ایسی ظالم	یوں تجھسے جو ضبط یک بیک چھوٹ گیا کہہ تو سہی جی ڈھا کہ دل ٹوٹ گیا
عاشق تجھ کو جو گھر نہ پاتا ہو گا اور دن سے بھی تجھکو تو خوشی حاصل ہی	کیا کیا کچھ دل میں اُس کے آتا ہو گا — تیرا جی ووں بھی بہل جاتا ہو گا
پیدا کرے ہرچند تقدس بندا جنت میں بھی اکل و شرب سے کب ہی نجات	مشکل ہی کہ ہو حرص سے دل برکندا دوزخ کا بہشت میں بھی ہو گا دھندا
ای درد یہ پیکھنا جو آکر دیکھا مانند مژہ اُٹھ گئی صف کی صف ہی	کچھ تو ہی بتا کہ دل لگا کر دیکھا ہم نے تو جدھر آنکھ اُٹھا کر دیکھا

ہم نے بھی کبھو جام و سبو دیکھا تھا
اُن باتوں کو اب جو غور کریئے اے دردؔ

جو کچھ کہ نہیں ہے روبرو دیکھا تھا
کچھ خواب سا تھا کہ وہ کبھو دیکھا تھا

موند آنکھ سدا کب تئیں دن ٹالیے گا
اے دردؔ مراقبہ تو کرتے ہو و لے

غفلت کے تئیں بغل میں یوں پالیے گا
ٹک اپنے گریباں میں بھی سر ڈالیے گا

کس کا کون کیا کسو سے کہنا
گزرے ہے اب اس طرح سے اپنی اے دردؔ

اپنا اپنا ہر ایک کا ہے لہنا
رونا چپکے پڑے اکیلے رہنا

یارب مقصود خلق کیا میں ہی تھا
کچھ کام ظہور میں نہ آیا مجھ سے

ایسا تجھے جہان میں یا میں ہی تھا
بس تجھ کو یہ مجھ سے مدعا میں ہی تھا

آرام نہ دن کو نے قراری کے سبب
واقف نہ تھے ہم تو ان بلاؤں سے کبھو

نے رات کو چین آہ و زاری کے سبب
یہ کچھ دیکھا سو تیری یاری کے سبب

کیا فائدہ گر باز ہے یاں دیدۂ سر
جوں آئنہ ہر چند کھلی آنکھ و لے

نت پردۂ چشم دل ہے کوری دگر
آتا ہے نظر میں عیب اپنا جوہر

یوں دیکھ کے اپنے غم سے مجبور نجور
اتنا بھی نہ مر کوئی دونوں جیتا رہ

کہتا ہے سمجھ تو سہی گر کچھ ہے شعور
ملنا ہے تجھے پھر بھی جو مجھ سے منظور

اے دردؔ اگرچہ میں ہے جوش و خروش

رہتے ہیں و لے اہل تامل خاموش

موجوں کو شراب کی وہ پی جاتے ہیں
گرداب کے مانند جو ہیں دریا نوش

ای درد یہ درد جی سے کھونا معلوم
گلزار جہاں ہزار پھولے لیکن
جوں لالہ جگر سے داغ دھونا معلوم
میرے دل کا شگفتہ ہونا معلوم

ای درد بہت کیا پرکھا ہم نیں
بینائی نہ تھی تو دیکھتے تھے سب کو
دیکھا تو عجب جہاں کا لیکھا ہم نیں
جب آنکھ کھلی تو کچھ نہ دیکھا ہم نیں

غم کھاتے ہیں اور آنسو پیتے ہیں
گزرے ہی جو کچھ کہ گزرے ہی کیا کہیے
دن رات مجھے عجب طرح بیتے ہیں
پرتھگی یہ کہ اب تلک جیتے ہیں

جب سے توحید کا سبق پڑھتا ہوں
اس علم کی انتہا سمجھنا آگے
ہر حرف میں کتنے ہی ورق پڑھتا ہوں
ای درد ابھی تو نام حق پڑھتا ہوں

ای درد سبھوں سے برملا کہتا ہوں
ملا کو بھی کچھ اس میں نہیں ہی انکار
توحید نہ میں چھپا چھپا کہتا ہوں
بندہ بندہ خدا خدا کہتا ہوں

دریا پہ عبث جاے ہی ساقی سے کہو
آنکھیں تری یوں نشے سے جاتی ہیں چڑھی
لے آئنہ دیکھ ظالم اس عالم کو
جوں کشتی چڑھاؤ پہ کھنچی جاتی ہو

کی بہت طریق زہد میں عمر تباہ
جوں کوچہ مسواک اسی میں دیکھا
اب کیجیے دل کو معرفت سے آگاہ
کوچہ ہی یہ سربستہ نہیں اس میں راہ

کب جس میں ہو دنیا کی طلب - بیٹھ سکے
تسکین - شہود حق سے ہوتی ہی نصیب
جس دل میں ہوس بھری ہو کب بیٹھ سکے
اُٹھ جائے نظر سے خلق تب بیٹھ سکے

مت پوچھ کہ میں نے عمر کیونکر کاٹی
کس واسطے چاہیے پرکھا اتنا
جس طرح سے کٹ گئی یہ یُوں کر کاٹی
دو روز کی زندگی ہی جوں کر کاٹی

ہر بت کے لیے کب تئیں مرتے رہیے
اب دردؔ جو کچھ کہ زندگی باقی ہی
کب تک یہ کفر دل میں بھرتے رہیے
اللہ کو اپنے یاد کرتے رہیے

ای بحر علوم سب کو باری باری
تا حشر تری مریدی و پیری کا
ہی تجھ سے ہی اب حصول فیض باری
جوں موج یہ سلسلہ رہے گا جاری

آزادی معرفت نے ای دردؔ کبھی
کیوں اتنی اٹک ہی ہی اب قید حیات
عقدہ نہ کیا قبول جی پر کوئی
یہ بھی جو گرہ سی ہی سو کھل جائے کبھی

پیری چلی اور گئی جوانی اپنی
کل اور کوئی بیاں کرے گا اس کو
ای دردؔ کہاں ہی زندگانی اپنی
کہتے ہیں اب آپ ہم کہانی اپنی

یا اُس نے ہی کچھ رسم تغافل کم کی
رونے کو مرے تولے ہی وہ نظروں میں
تاثیر پڑی ہی یا کہ اپنے غم کی
اس گوہر اشک کی بھی رتی چمکی

تیرے لیے دہماد کو کسی سے نہ بنی
یہ خانہ خراب رفتہ رفتہ آخر

بہتیروں نے چاہا پہ سبھی سے نہ بنی
ایسا بگڑا کہ اپنے جی سے نہ بنی

جوں کال سے یاں تال کی پیدائی ہے
دیکھی تنزیہ اور تشبیہ تمام

ووں تال سے کال کی شناسائی ہے
وہ اس کے یہ اس کے یوں ہی کام آئی ہے

کچھ آپ ہی گر اکے کچھ آپ ہی چنتا ہے
اے درد ہمیشہ یہ دلِ دیوانہ

کہتا ہے کچھ آپ۔ آپ ہی سنتا ہے —
کیا کچھ ادھیڑتا ہے اور بنتا ہے —

عاشق ہوے جس کے اس کے محبوب بنے
تس پر بھی جو کچھ بنی سو دیکھی تم نے

دلخواہ سب اس کے ساتھ ہلوب بنے
بس درد خدا سے اب تمھیں خوب بنے

رباعی مستزاد

اے درد شب قدر ہے زلفِ سیاہ
ہر خط میں لکھی ہوئی ہیں آیاتِ الٰہ
جوں آئنہ حیران ہوں میں سر تا پا
آتا ہے نظر حسن میں جلوہ کیا کیا

گر دل سے ہے راہ
کر ٹک تو نگاہ
ہے عشق گواہ
اللہ اللہ

گر شوق ہے جی میں حق کے پہچاننے کا
کہتا ہوں سخن چھوٹا سا پر ماننے کا

ابرام کرو
اک کام کرو

ہی غیر اگر تم میں تو لازم ہی تمھیں اور تم ہی ہو تو فائدہ کیا جاننے کا	پہچانو اُسے آرام کرو
کیسی تم کو بھاوت ہیں اور کیسی تو سکھ پاوت ہیں کلیاں من میں سوچ ہیں جی پھول گئی کھلاوت ہیں	یہ پھلواری درد ہیں کچھا ور سمود کھلاوت ہیں جو دن وا کو بیت گیو ہی وا دن مونکو آوت ہیں

مخمسات

باطن سے جنھوں کے تیں خبر ہی
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہی
ظاہر پہ انھیں تو کب نظر ہی
اس آگ سے سوختہ جگر ہی
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہی

خاموش ہو ترک گفتگو کر
حیرت میں وصال آرزو کر
باطن کے صفا کی جستجو کر
آئینۂ دل کو روبرو کر
دیدار نصیب ہر نظر ہی

ہستی نے کیا ہی گرم بازار
سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار
لیکن ہی یہاں نگاہ درکار
آہستہ گزر میان کہسار
ہر سنگ دکانِ شیشہ گر ہی

دیدار نما ہی شاہد گل
جب دل سے مرے گیا تامل
اور زلف کشا عروس سنبل
تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل
دیکھا تو بہار جلوہ گر ہی

نزدیک و بعید ہی برابر
مت ہو دم یاس سے مکدر

آئینۂ وہم ہے سراسر — مانندِ نگہ نکل تو باہر

تیرے تئیں تجھ تلک سفر ہے

ہر عجز میں کبریا ہے محجوب — ہر نقص سے ہے کمال مطلوب
کوئی نہیں ہے جہاں میں معیوب — آتے ہیں مری نظر میں سب خوب

گر عیب ہے پردۂ ہنر ہے

اے درد رموز کبریائی — کب تجھ سے ہے زاہد ریائی
نے عجز ہے نہیں ہے واں رسائی — ہے مجھکو جہاں بہ پر کشائی

پرواز شکست بال و پر ہے

دیگر

ہم وحشیوں کے دل میں کچھ اور ہی امنگ ہے — وحشت بھری ہے اور ہی اور ہی ترنگ ہے
ان گم شدوں کے آگے تو عنقا بھی تنگ ہے — اہلِ فنا کو نام سے ہستی کے ننگ ہے

لوحِ مزار بھی مری چھاتی پہ سنگ ہے

نے فکر صبح کی نہ غمِ شام تھا ہمیں — نے شوقِ بادہ تھا نہ ہر جام تھا ہمیں
جب تک عدم میں تھے عجب آرام تھا ہمیں — اس ہستیِ خراب سے کیا کام تھا ہمیں

اے نشۂ ظہور یہ تیری ترنگ ہے

نے یاں ہوائے آب ہے نے حرص نان کی — نے داشتِ سفر نہ ہوس ہے جہان کی
زاہد یہ باتیں سب ہیں ترے امتحان کی — فارغ ہو بیٹھ فکر سے دونوں جہان کی

خطرہ جو ہے سو آئینۂ دل پہ زنگ ہے

دیگر

کئی قیمت میں اس کے پاس نقدِ دین کو لاے — کئی دنیا دکھاتے ہیں کہ یوسع دایہ بن جاے
ہمیں یہ سوچ ہے وہ خود فروش ادھر آجاے — برادر اوچھ دربار میں تو دینے نہ دینا ہے

دلے داریم واندوہے سرے داریم وسودائے

نگران نے وقوفوں نے محبت سہل جانی تھے — ہوس گرتا ہی تیرے عشق کی ہر ایک نیک وبد

ولے شعلۂ سرکش تو یوں گرمی کرے ہی کد — بنازم چشم دغت را عجب بینائیے دارد

بغیر از سینۂ پاکاں ندیدم خوش کند جائے

دیگر

ستاتی ہی مجھے ہر لحظہ کج ادائی دوست — کرے ہی دشمنی اب مجھ سے آشنائی دوست

بڑھی ہی اور طرف جا کے دلربائی دوست — پہ تو بھی دل میں ہی میرے وہی صفائی دوست

وفا مری نہیں دیکھے ہی بیوفائی دوست

مجھے تو نزع میں لگ رہی صبح سے تا شام — پھر اب جو شام ہوئی صبح تک کسے آرام

غرض کہ مجھ کو ہوئی زندگانی تلخ تمام — کہے ہی سن کے مرا حال وہ مجھے کیا کام

نگاہ کیجیو ٹک رنگ بے وفائی دوست

ترکیب بند

شاہنشہ ملک کفر و دین تو — ہی تخت نشین دل نشین تو

ہوں لفظ بمعنی آشنا میں — ہی معنی لفظ آفرین تو

ای زیور دست غیب ہر جا — انگشت نما ہی جوں نگین تو

کافر ہوں نہ ہوں جو کافر عشق — ہی ناز بتان نازنین تو

دشمن ہی کہاں کدھر کو ہی دوست — ہی گرمی بزم مہر و کین تو

ویرانی وادی گمان تو — آبادی خانۂ یقین تو

ہیہات جہاں یہ کور چشمان — ڈھونڈھیں ہیں تجھے تو ہی وہاں تو

لہ عرفقامہ اردو میں حقیقی کی ترکیب ہی #

کرتا ہی یہ کون دیدہ بازی — گر دوستی نظر نہیں تو
تو ہی تو ہی دل کی بے حجابی — ہی پردۂ چشم سرمگیں تو

معشوق ہی تو ہی، تو ہی عاشق
عذرا ہی کدھر کہاں ہی وامق

میں منتظر دم صبا ہوں — جوں غنچہ گرفتہ دل بنا ہوں
اک عمر گزر گئی سمجھتے — معلوم کیا نہ میں نے کیا ہوں
نکلا بھی تو ہل سکا نہ مجھ سے — شرمندۂ جذب کہربا ہوں
بیگانہ جو مجھ سے وہ پھرا ہی — تقصیر یہ ہی کہ آشنا ہوں
موجود نہ پوچھے کچھ وہ کافر — گر آوے خدا بھی میں تو کیا ہوں
اپنی تو نہ کھوئی تیرہ بختی — ہرچند کہ سایۂ ہما ہوں
نے دل تو نہ کر مجھے سمجھ ٹک — میں ہی تو بساط میں رہا ہوں
مشکل ہی مجھے کہیں رسائی — کوتاہی طبع نارسا ہوں
پائی نہ گل وفا کی بو بھی — اس باغ میں جابجا پھرا ہوں

آئندہ نہ کیجیے محبت
دنیا ہی نپٹ ہی جائے عبرت

میرے دم سرد سے نہیں دور — خورشید اگر ہو قرص کافور
ہوں داغ میں زخم دل کے ہاتھوں — بہتا ہی رہا سدا یہ ناسور

پوچھے کوئی جس کی بات مجھ سے
کرتا ہے مجھے ترا ہی مذکور

ہے غم یہ ترا کہ روز و شب یوں
رکھتا ہے ہمارے دل کو معمور

ایذا میں ہے دیکھ کیا حلاوت
نے نوش نہیں ہے نیشِ زنبور

یاں کھولیو تو سمجھ کے آنکھیں
شمع مجلس ہے شعلۂ طور

اتنا نہ ہوا میں اڑ سلیماں
کچھ تخت سے کم نہیں پرِ مور

قائل نہیں اختیار کا میں
بندہ ہے سمجھ میں اپنی مجبور

تو عشق کے رنگ سیر کر ٹک
واصل ہے کوئی کوئی ہے مہجور

پروانہ و شمع مل گئے یوں
ہیں بلبل و گل جدا جدا یوں

اس زیست کا اعتبار کیا ہے
کوئی دم میں یہ زندگی ہوا ہے

گزرا ہے نظر سے ایک عالم
یہ چشم نہیں ہے نقشِ پا ہے

ظالم ٹک ادھر تو دیکھ لے تو
کوئی پل میں خدا ہی جانے کیا ہے

ڈھانا تو ہے دل کے تئیں ولیکن
تو جان یہ خانۂ خدا ہے

ہے دیدِ فنا ہی حاصلِ چشم
عقدہ یہ حباب پر کھلا ہے

ظاہر ہے تجھی سے تو یہ عالم
تو مجھکو بتا کہیں چھپا ہے

دنیا سے امید پائداری
یہ وہم ترا کدھر گیا ہے

جوں آئنہ منہ کسی سے مت پھیر
تیرے دل میں اگر صفا ہے

کچھ پائی خبر نہ میں نے دل کی
کس کے وہ خیال میں گیا ہے

ہے میرے تئیں سراغ دل کا
پھرتا ہوں لیے یہ داغ دل کا

مت کہہ کہ فلک میں ہیں برے ڈھنگ
کس کا ہی سمجھ تو ٹک یہ نیرنگ

ای رشک بہار ہی تجھی سے
یہ روے نہیں یہ آب اور رنگ

برعکس سمجھ صفا کو اُس کی
آئینہ کے دل میں ہی بھرا زنگ

ای شیشہ گراں نہیں یہ مینا
پگھلا ہی شراب پر دل سنگ

کرتا ہی تو صلح غیر سے تو
ہم سے ہی مگر ارادۂ جنگ

حیرت کا مری تو یہ اثر ہی
وہ بھی مجھے دیکھ رہ گیا دنگ

میں پہونچوں خیال کی طرح واں
گر مجھ سے ہو تو ہزار فرسنگ

کرتا ہی یہ دل تو رو نہ نالے
ہی نے سے زیادہ تر خوش آہنگ

میں غنچۂ دل گرفتۂ دل
تو عقدہ کشاے خاطر تنگ

جوں زخم نہ مجھے شگفتہ دل رکھ
مت تیغ سے اپنی منفعل رکھ

عاشق ہی اور اضطرار کرنا
اک جا نہ کہیں قرار کرنا

ہم بھی ہیں اُمیدوار ہو کے
ایدھر بھی صبا گزار کرنا

ای عشق قسم ہی قتل گہ میں
پہلے تو ادھر ہی وار کرنا

دل اُس کی گلی کو جب چلے تو
میرا بھی ٹک انتظار کرنا

مینا کو نہ توڑ محتسب تو
میرے تئیں سنگسار کرنا

ظالم ہیں تری یہ چشم قاتل
عاشق سے آنکھیں نہ چار کرنا

ہو میرے سوا یہ کس سے ناحق
اپنے تئیں یوں نزار کرنا

ای وعدہ خلاف کب تلک یہ
سٹ نا اُمدہ انتظار کرنا

آشفتہ دلوں کو مت ستانا
زلفوں میں نہ شانہ - یار کہنا

وابستہ ہی اُن سے موبمو دل
مت ٹوٹ پڑے کوئی کبھو دل

مدّت نہیں عشق دل پہ در تھا
دیکھا تو عبث کا درد سر تھا

آنکھوں نے جدھر کی نیزہ بازی
تھا دل ہی مرا کہ واں سپر تھا

زخمی نہ بچا تری نگہ کا
جو زخم تھا سو وہ کارگر تھا

ہو سامنے کون اس مژہ کے
میرا ہی تو یہ دل و جگر تھا

پوچھا میں کہ دل کو کیوں اُجاڑا
کہنے لگا خوب - اپنا گھر تھا

ہیں ہم بھی صبا ترے تو ہمراہ
مدّت سے ارادۂ سفر تھا

ای نالہ پھرے ہے کیوں بھٹکتا
تجھ میں بھی کبھو تو کچھ اثر تھا

کیوں ردّ و قبول میں ہے جھگڑا
مجھ میں نہ تو عیب نی ہنر تھا

ای درد جہاں کہیں میں دیکھا
وہ یار مرا ہی جلوہ گر تھا

خاموش ہو مت جتا کسو کو
آتا ہی نظر خدا کسو کو

(مطبوعہ نظامی پریس بدایوں)

زیر نگرانی محمد احید الدین لیتھوگرافر سند یافتہ
لندن
نظامی پریس بدایوں میں طبع ہوا
نظام الدین حسین پرنٹر و پبلشر